رمضان المبارک

اور ہماری ذمہ داریاں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

طبع اول

فروری ۲۰۲۶ء-شعبان المعظم ۱۴۴۷ھ

سید احمد شہید اکیڈمی

دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی

کتاب: رمضان المبارک اور ہماری ذمہ داریاں

مصنف: بلال عبدالحی حسنی ندوی

مرتب: محمد ارمغان بدایونی ندوی

تعداد اشاعت: ۱۱۰۰

صفحات: ۱۵۲

قیمت: Rs.140/-

ملنے کے پتے :

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء

☆ مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب العلمیۃ، ندوہ روڈ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

پیش لفظ ۴

روزہ-ایک جامع اور متوازن عبادت ۷

رمضان المبارک اور ائمہ کرام کی ذمہ داریاں ۱۳

رمضان المبارک کا پیغام ۱۵

رمضان المبارک سے قبل چند اہم گذارشات ۲۸

رمضان المبارک کے بعد چند اہم گذارشات ۴۹

رمضان المبارک اور قرآن مجید ۶۴

رمضان المبارک اور تراویح ۷۲

رمضان المبارک اور تقویٰ ۷۶

رمضان المبارک اور ایثار و مؤاسات ۸۷

رمضان المبارک اور دعا ۹۵

اعتکاف اور اس کے آداب ۱۱۰

شب قدر اور اس کا پیغام ۱۱۹

سحر و افطار اور اس کے آداب ۱۲۵

جمعۃ الوداع کا پیغام ۱۳۱

عید الفطر کا پیغام ۱۴۲

ہلالِ عید یا صبح امید ۱۴۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

امتِ اسلامیہ پر اللہ کی ایک بڑی نعمت رمضان کا مبارک مہینہ ہے، جو سال بھر کے لیے ایمانی وروحانی طاقت فراہم کرتا ہے، اس مہینے کی جو صحیح قدر کرتا ہے اور اس سے پورا فائدہ اٹھاتا ہے، اس کی زندگی پر اس کے بہتر اثرات مرتب ہوتے ہیں، یہ تزکیۂ نفس کا مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ نے روزے کے مقاصد میں ''تقویٰ'' کا ذکر فرمایا ہے، جو شخص احتسابِ نفس کے ساتھ یہ مہینہ گذارتا ہے، اپنا جائزہ لیتا ہے اور امراضِ باطنی کو اس مہینے میں دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ اس مہینے کے مقصد کو پورا کرتا ہے، اسی لیے مشائخ ومصلحین کے یہاں خاص طور پر اس کی بڑی اہمیت رہی ہے، وہ پورا پورا مہینہ فارغ ہوکر اس کے لیے یکسو ہوجاتے ہیں، تقرب الی اللہ کے کاموں کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیتے ہیں اور ایک ایک لمحے کو حضوریِ قلب کے ساتھ گذارتے ہیں اور ان کی صحبت میں رہنے والے بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنے دل کی دنیا آباد کرتے ہیں، عمومی طور پر اہل ایمان بھی اس مہینے میں فکر وتوجہ کرتے ہیں۔

یہ وہ مہینہ ہے جس میں سرکش شیاطین قید کردیئے جاتے ہیں، دل نرم ہوتے ہیں، نیکیوں کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے، گناہوں سے دوری ہوتی ہے اور ان سے بچنا آسان معلوم ہوتا ہے، اس میں تھوڑی توجہ سے خیر کی توفیق ہوتی ہے اور آدمی

آسانی سے خیر کے راستے پر پڑ جاتا ہے، بڑے مبارک ہیں وہ لوگ جو اس کی برکتوں سے اپنے دامن کو بھر لیتے ہیں، ایک ایک لمحے کی قیمت کو سمجھتے ہیں اور پہلے سے اس کی تیاری کرتے ہیں تاکہ اس کی برکات میں سے کچھ چھوٹنے نہ پائے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تیاری قلب ودماغ کو تیار کرنے کی ہے، یہ سحر وافطار کی تیاری نہیں ہے، اکثر لوگوں کا ذوق اس کی ظاہری تیاری کا ہوتا ہے اور پہلے سے لوگ سحر وافطار کے لیے لذیذ مطعومات ومشروبات تیار کرتے ہیں، کسی حد تک یقیناً اس کی اجازت ہے، سحر وافطار بھی عبدیت کے مظاہر میں سے ہے لیکن اصل تیاری کا تعلق قلب ودماغ سے ہے، ان کو آلائشوں سے پاک کرنا اور پھر اپنے آپ کو اس قابل بنانا کہ رحمتِ الٰہی متوجہ ہو اور اس کی برکات سے محرومی نہ ہو، یہ اصل تیاری ہے، اسی لیے حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول شریف تھا کہ شعبان کی آخری تاریخوں میں وعظ فرماتے تھے اور لوگوں کو اس مہینے کی طرف متوجہ فرماتے تھے اور پھر درمیان میں بھی متوجہ فرماتے رہتے تھے۔

علماءِ امت کا بھی اسوۂ رسول ﷺ کی اتباع میں یہ معمول رہا ہے، اس موضوع پر خطابات ہوتے ہیں، توجہ دلائی جاتی ہے، رمضان سے پہلے بھی استقبالِ رمضان کے موضوع پر جگہ جگہ گفتگو ہوتی ہے اور رمضان میں بھی مختلف مناسبتوں سے تقاریر ہوتی ہیں، دروس قرآن اور دروس حدیث کا بھی نظم ہوتا ہے تاکہ لوگ متوجہ رہیں، اس موضوع پر کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، اخیر دور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی ''فضائل رمضان'' مختصر وجامع اور انتہائی مؤثر رسالہ ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی مشہور کتاب ''ارکان اربعہ'' میں روزہ کا حصہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے اور بھی اس موضوع پر درجنوں کتابیں لکھی گئی ہیں، اسی طرح اس موضوع پر خطابات کو بھی قلم بند کیا گیا ہے جن میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''رمضان المبارک اور اس کے تقاضے'' بڑی اہمیت کی حامل ہے اور رمضان المبارک

سے متعلق اہم مضامین اس میں آگئے ہیں۔اسی طرح حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ کی کتاب ''تحفہ رمضان'' بھی بڑی مفید اور جامع کتاب ہے۔

پیش نظر کتاب اس گنہگار کی مختلف تقریروں اور مضامین کا ایک مجموعہ ہے جو اس کی لاعلمی میں عزیز گرامی قدر مولوی محمد ارمغان بدایونی ندوی سلمہ نے اپنے ذوق وفکر سے بہت کم وقت میں مرتب کر کے پیش کیا، جو کچھ ہے وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہے، بڑوں کی باتیں ہیں جو نقل کی گئی ہیں، اس خیال سے اس کی اشاعت کی جارہی ہے کہ کسی کو بھی کچھ فائدہ ہو تو وہ ناقل اور مرتب کے لیے ذخیرۂ آخرت بن جائے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مفید بنائے۔آمین!

بلال عبدالحی حسنی ندوی
۱۵رشعبان المعظم ۱۴۴۷ھ
دائرۂ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں، رائے بریلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

روزہ-ایک جامع اور متوازن عبادت

روزہ اسلام کے چار مہتم بالشان ارکان میں سے ایک رکن ہے، اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

"إِنَّ الصَّوْمَ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ." (۱)

(روزہ میرے لیے ہے اور میں اپنے پاس سے اس کا بدلہ دوں گا۔)

اس تاکید واہتمام کے ساتھ ساتھ روزہ میں بشری تقاضوں اور انسانی ضرورتوں کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، اگر کوئی بہت ضعیف اور بوڑھا ہے اور روزہ اس کے لیے دشوار ہے تو روزے کے بجائے اس کو فدیہ دینے کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ (البقرة: ١٨٤)

(اور جن لوگوں کے لیے اس کا بوجھ مشکل ہو جائے ان پر ایک مسکین کا کھانا فدیہ ہے۔)

اگر کوئی مریض ہے تو اس کو یہ اجازت ہے کہ وہ صحت کا انتظار کرے اور اگر مسافر ہے تو اس کو رخصت دی گئی ہے کہ وہ منزل پر پہنچ کر روزے پورے کرے، ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرة: ١٨٥)

(۱) صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل الصيام: ٤٧٦٤

(اور جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں سے گنتی (پوری) کرے، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، وہ تمہارے ساتھ سختی نہیں چاہتا۔)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں روزہ کے ذیل میں دین کے مزاج کو بیان فرمادیا ہے، اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو متوازن اور کامل الخلقت بنایا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا دین عطا فرمایا جو انسانی ساخت کے مناسب اور اس کے مزاج وطبیعت سے میل کھانے والا اور متوازن ہے۔

روزہ میں توازن واعتدال کی ایک بڑی مثال یہ بھی ہے کہ روزہ دار کو افطار میں تعجیل اور سحری میں تاخیر کا حکم دیا گیا ہے، سحر کو برکت کا کھانا کہا گیا ہے، اس میں بندہ کے عجز اور کمزوری کا اظہار بھی ہے اور اس کی ضروریات کی تکمیل بھی، ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوا کہ آپ ﷺ سحر تناول فرمارہے تھے، آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا:

"هَلُمَّ إِلَى الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ." (آؤ، برکت کا کھانا کھالو۔)(۱)

سحر سے آدمی کو روزہ پر قوت حاصل ہوتی ہے، بدخلقی دور ہوتی ہے اور دوسروں کے حقوق کی ادائیگی میں سہولت ہوتی ہے۔

حدیث میں افطار کے متعلق تعجیل کا حکم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ."(۲)

(لوگ اس وقت تک خیر پر رہیں گے جب تک وہ افطار میں تعجیل کرتے رہیں۔)

اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب میں بھی روزوں کا نظام موجود ہے، خود قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الصوم، باب من سمَّى السحور الغداء: ۲۳٤٦

(۲) صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل السحور وتأكيد استحبابه.....: ۲٦۰۸

مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ﴾ (البقرۃ: ۱۸۳)

(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔)

دوسرے مذاہب نے دیگر تعلیمات کی طرح روزہ کی اس ترتیب کو ضائع کر دیا جو ان کو اللہ کی طرف سے ملی تھی، انھوں نے اس میں یا تو غلو اور تشدد سے کام لیا یا وہ انکار کا شکار ہو گئے، یہودیوں کا روزہ غم والم اور ماتم کی ایک نشانی تھا، اگر کوئی خطرہ درپیش ہوتا، یا ملک پر کوئی آفت آتی، یا کوئی اہم کام درپیش ہوتا تو وہ ضرور روزہ رکھتے تھے، اسی طرح مختلف الم ناک حادثات کی یاد میں روزے رکھے جاتے، ان کے یہاں سب سے زیادہ اہمیت ان چالیس روزوں کی تھی جو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یادگار میں رکھا کرتے تھے۔

جن روزوں کو وہ ضروری قرار دیتے تھے ان میں ان کے یہاں اتنا غلو تھا کہ سخت سے سخت معذوری کے باوجود کسی کے لیے کوئی رعایت نہ تھی، تورات میں یہاں تک ہے کہ اگر کسی وجہ سے کوئی روزہ نہ رکھ سکے تو وہ کٹ جائے یا قتل ہو جائے، یہاں تک کہ اس مسافر پر بھی روزہ فرض ہوگا جو یہودی نہیں لیکن کسی یہودی کے پاس آ کر رہے۔(۱)

روزہ کے اوقات میں ان کے یہاں کوئی توازن نہیں ہے، بعض روزے اشراق سے شروع ہو کر پہلے ستارے کے طلوع تک رہتے ہیں اور بعض بعض روزے ایک شام سے دوسری شام تک جاری رہتے تھے۔

عیسائیوں میں بھی چالیس دن روزہ کا ذکر ملتا ہے جو وہ حضرت مسیح کی یادگار کے طور پر رکھا کرتے تھے، اس کے علاوہ بھی بعض اور روزے وہ مختلف ایام میں رکھتے تھے لیکن ان کے یہاں اس کی کوئی متعین اور واضح شکل نہیں ملتی، ان کے بعض روزے چالیس گھنٹے کے ہوتے اور بعض دو دو دن جاری رہتے۔

(۱) احبار: ۱۶-۲۹

بعض لوگ صرف گوشت سے پرہیز کرتے، بعض انڈے اور پھلوں کے علاوہ ہر چیز کھا سکتے تھے، کچھ لوگ صرف پرندوں اور مچھلی کے گوشت پر اکتفا کرتے تھے۔

ہندو سماج میں بھی روزہ کا تصور موجود ہے جس کو وہ ''برت'' کہتے ہیں، اس میں وہ پھل کھاتے ہیں اور اناج سے پرہیز کرتے ہیں، ''برت'' کی بعض ایسی شکلیں بھی ہیں جس میں وہ ہر چیز سے پرہیز کرتے ہیں لیکن وہ ہر ایک کے لیے ضروری نہیں، اس سلسلے میں بھی ان کے یہاں طبقہ واریت بہت زیادہ ہے پھر اس کی واضح اور مکمل شکل بھی ان کے یہاں نہیں پائی جاتی۔

یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس نے نہایت فطرت شناسی کے ساتھ اس کی مکمل شکل انسانیت کو عطا کی، یہ اس کا تکمیلی کارنامہ ہے کہ اس نے روزہ کو ایک نیا مفہوم بخشا اور افراط وتفریط کی تمام خرابیوں سے پاک کر کے ایک معتدل شکل میں اس کو ہمارے سامنے پیش کیا، نہ اسے ماتم یا غم کی نشانی قرار دیا، نہ اپنے نفس پر اختیاری تکلیف وارد کر کے اور اپنی جانوں کو دکھ دے کر خدا کو خوش کرنے کا ایک رمز قرار دیا بلکہ اس کو روحانی تربیت اور تزکیۂ نفوس اور تقویٰ کے حصول کے لیے ایک بہترین ذریعہ بنایا، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اس کی مشروعیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۱۸۳)

(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔)

روزہ اسلام میں نہ کسی طبقہ کی خصوصیت ہے، نہ کسی خاندان کی، روزے سب پر فرض کیے گئے ہیں لیکن معذوروں اور مسافروں کو سہولت دی گئی ہے، علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''اور مذہبوں میں روزہ کے ایام نہایت غیر معتدلانہ تھے، یا تو چالیس چالیس روز کا فاقہ تھا، یا روزہ کے دنوں میں غلہ اور گوشت کے علاوہ پھل تک کھانے کی اجازت تھی، اسلام نے اس میں بھی توسط اختیار کیا یعنی روزہ کے اوقات میں گو ہر قسم کے کھانے پینے سے روک دیا مگر اس کی مدت ایک مہینہ تک صرف آفتاب کے طلوع سے غروب تک چند گھنٹوں کی رکھی۔ جینیوں کے یہاں ایک ایک روزہ ہفتوں کا ہوتا تھا، عرب کے عیسائی راہب کئی کئی روز کا روزہ رکھتے تھے، یہودیوں کے یہاں پورے چوبیس گھنٹے کا روزہ تھا، اسلام نے صبح سے شام تک کا روزہ قرار دیا۔''(۱)

یہ بھی اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ اس نے بھول چوک کو معاف کیا، ارشاد نبویؐ ہے:

"مَنْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ نَاسِياً فَلاَ يُفْطِرُ فَإِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ رَزَقَهُ اللّٰهُ."(۲)

(جس نے بھول چوک کر کھا پی لیا تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹا، یہ تو اللہ کا رزق تھا۔)

روزہ میں آدمی کو ہر طرح کے غلو اور تشدد سے روک دیا گیا، اس کی حکمت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''روزہ کے مقاصد میں ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ ضرورت سے زائد گہرائی میں نہ پڑا جائے، نکتہ آفرینی اور تشدد کی راہ اختیار کرنے کا دروازہ بند کر دیا جائے، اس لیے کہ یہ عبادت یہود و نصاریٰ اور خود عرب کے عبادت گذاروں میں معروف اور رائج تھی، انہوں نے یہ سوچ کر کہ روزہ کی بنیاد نفس کشی پر ہے، اس میں بہت تشدد سے کام لیا اور نفس کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے بہت سی چیزیں اپنی طرف سے ایجاد کر لیں اور یہی وہ نقطہ ہے جس سے تحریف کا آغاز ہوتا ہے جو کبھی کمیت میں ہوتی ہے اور کبھی کیفیت میں۔

(۱) سیرۃ النبی: ۵/ ۱۶۷

(۲) الترمذی، کتاب الصوم، باب ما جاء فی الصائم یأکل أو یشرب ناسیاً: ۷۲۵

کمیت میں اس کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے سمجھ میں آتی ہے کہ رمضان سے پہلے متصلاً کوئی ایک روزہ یا دو روزے نہ رکھے، اسی طرح عید اور شک کے روزہ سے آپ کا منع فرمانا کہ اس کے اور رمضان کے بیچ میں کوئی متصل نہیں ہے، یہ اس لیے کہ اگر یہ متشدد لوگ اس کو سنت بنالیں گے تو دوسرے ان کی اتباع کریں گے اور اس طرح بات تحریف تک پہنچ جائے گی، تشدد دراصل شدت احتیاط ہی سے پیدا ہوتا ہے اور شک کا روزہ اسی قبیل سے ہے۔

کیفیت میں اس کی مثال؛ صوم وصال کی ممانعت، سحری کی ترغیب اور اس کی تاخیر کا حکم ہے، اس لیے کہ یہ سارا تشدد اور غلو جاہلیت کی پیداوار ہے۔''(۱)

یہ چیز انسان کی طبیعت اور اس کے مزاج میں داخل ہے کہ ترغیب سے اس کے اندر شوق پیدا ہوتا ہے اور بعض مرتبہ سخت سے سخت کام بھی وہ بڑی رغبت اور اپنی خواہش سے انجام دے لیتا ہے، یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ ترہیب سے زیادہ اس نے ترغیب پر زور دیا اور مثبت پہلو کو نمایاں کیا ہے، روزہ بہرحال کسی درجہ میں طبیعت انسانی پر شاق ہوسکتا ہے لیکن روزہ کے فضائل اور اس سلسلے کی ترغیبات نے روزہ کو آسان بنادیا ہے اور اس میں ایسا توازن پیدا کردیا ہے کہ کم ہمت لوگوں کے لیے بھی اس میں ایک طرح کی سہولت پیدا ہوگئی ہے اور پھر وہ تمام آسانیاں جن کا ذکر شروع میں کیا جاچکا ہے مزید برآں ہیں۔

اس طرح اسلامی روزہ ایک طرف اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہے، تزکیۂ نفوس اور تہذیب اخلاق اور حصول تقویٰ کا سب سے اہم ذریعہ ہے اور دوسری طرف وہ نفوس پر ایسا شاق بھی نہیں کہ معتدل المزاج لوگوں کے لیے اس پر عمل دشوار ہو۔

(۱) حجۃ اللہ البالغہ: ۲/ ۳۹، ماخوذ از: ارکان اربعہ، ص: ۲۷۴

رمضان المبارک اور ائمہ کرام کی ذمہ داریاں

رمضان کا مبارک مہینہ سایہ فگن ہونے کو ہے، اس کا احساس اکثر لوگوں کو ہے، لیکن اس کی تیاری کے طریقے الگ الگ ہیں، بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو اس کی تیاری سحر وافطار کے متنوع اقسام کی فراہمی سے کرتے ہیں اور پھر رمضان کے اہم ترین حصہ کو عید کی ظاہری تیاری میں ضائع کرتے ہیں، رمضان کے مہینہ میں بازاروں اور دکانوں پر خواتین کی بھیڑ جمع رہتی ہے۔

اس سلسلہ میں ائمہ حضرات کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ رمضان سے پہلے آنے والے جمعہ کو استقبال رمضان پر خطاب کریں اور اس کی اصل ذمہ داری کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائیں کہ ہم نے اگر پہلے سے تیاری کر لی اور اپنے دل کو صاف کر لیا تو مہینہ کے آغاز سے ہی ہم رحمت الٰہی کے مستحق بن جائیں گے اور یہی اصل رمضان المبارک کی تیاری ہے۔

دوسری توجہ دلانے والی بات جو رمضان کے دوران بھی کہی جائے یہ ہے کہ یہ مہینہ عبادتوں کے جشن عام (سہالک) کا ہے، جتنا وقت اس میں لگا لیا جائے وہ سال بھر کی کمائی ہے، جہاں تک ہو سکے اس میں وقت ضائع نہ کیا جائے اور تلاوت، ذکر،

درود شریف کی کثرت اور توبہ واستغفار میں وقت لگایا جائے اور سب سے بڑھ کر بے ضرورت باتوں سے بچا جائے جس کے نتیجہ میں نہ جانے کتنے گناہوں کا ارتکاب ہوجاتا ہے، اسی طرح یہ مہینہ غم گساری کا ہے، اس میں زیادہ سے زیادہ غریبوں کی مدد کی جائے اور ہر ایک کے ساتھ بھلائی کی جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ رمضان محاسبہ نفس کا مہینہ ہے، اس میں اپنی اصلاح کی حتی الامکان کوشش کی جائے، عبادات کی کوتاہیاں، معاملات کی خرابیاں اور اخلاقی برائیاں دور کرنے کا عزم کیا جائے۔

آخری بات یہ ہے کہ یہ مہینہ تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے کے لیے دیا گیا ہے، روزہ اسی لیے ہے تاکہ تقویٰ کا مزاج بنے: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔)

آخری ہفتہ میں خاص طور پر یہ گفتگو کی جائے کہ رمضان جارہا ہے لیکن تقویٰ کی سوغات دے کر جارہا ہے، رمضان میں جائز چیزیں بھی اللہ کے حکم سے چھوڑیں، اب ہلال عید کے طلوع ہونے پر ان شاء اللہ ناجائز کاموں سے بچنا ہے، یہ ایک بڑا روزہ ہے اسلام کا، یہ زندگی بھر کے لیے ہے، اس کا دھیان رکھنا ہے اور رمضان کی برکتوں کو باقی رکھنا ہے۔

یہ چند ضروری باتیں ہیں، اگر ائمہ حضرات عوام کو ان باتوں کی طرف تفصیل سے متوجہ کریں تو کیا بعید ہے کہ لوگوں کے اندر تبدیلی پیدا ہو اور وہ رمضان سے کچھ سیکھ سکیں۔

رمضان المبارک کا پیغام

نبی اکرم ﷺ کے معمول میں یہ بات شامل تھی کہ آپ ﷺ رجب کا چاند دیکھتے ہی رمضان المبارک کی تیاری شروع فرمادیتے تھے، روایت میں آتا ہے کہ جب رجب کا چاند طلوع ہوتا تو آپ ﷺ ارشاد فرماتے:

"اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبٍ وَشَعْبَانَ وَبَارِكْ لَنَا فِي رَمَضَانَ."(۱)

(اے اللہ! ہمارے لیے رجب اور شعبان میں برکت عطا فرما اور رمضان کو بھی ہمارے لیے بابرکت بنا۔)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ رمضان کے استقبال کا خاص اہتمام فرماتے تھے اور اس کی پوری تیاری کرتے تھے، موجودہ دور میں بھی استقبال رمضان کے عنوان سے مختلف علاقوں میں پروگرام ہوتے ہیں، بلاشبہ یہ بھی ایک خوش کن بات ہے لیکن یہ کسی رسم کو پورا کرنے کے لیے نہیں ہونا چاہیے بلکہ حقیقت میں یہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت ہے، روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ شعبان کے مہینہ میں کثرت سے روزے رکھتے اور جب شعبان کا آخری دن ہوتا تو آپ ﷺ لوگوں کو وعظ فرماتے، رمضان کی اہمیت یاد دلاتے اور اس کی عظمت کے تقاضوں کو بیان فرماتے،

(۱) مسند أحمد: ۲۳۸۷

آپ ﷺ لوگوں کو اس طرح توجہ دلاتے کہ اے لوگو! تم پر ایک مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے جو بڑی عظمت والا مہینہ ہے:

"أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ وَأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ وَآخِرُهُ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ." (۱)

(اس (ماہِ مبارک) کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا عشرہ مغفرت اور تیسرا عشرہ آگ سے خلاصی ہے۔)

رمضان المبارک اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک خاص نعمت ہے، امت محمدیہ پر اس کا فضل عظیم ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے یہ ایک آگاہی بھی ہے کہ اللہ نے ایسی امت کو یہ عظیم مہینہ دیا جس کی عمریں کم ہیں، گویا یہ ایک تحفہ ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کے ذریعہ سے اس آخری امت کو ملا ہے، اب ہمارے اوپر یہ ایک بڑی ذمہ داری ہے کہ اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کی جائے، مہمان جتنا عظیم ہوتا ہے، اس کا استقبال بھی اتنا ہی عظیم ہوتا ہے، اگر کوئی مہمان بہت ذی وقار ہے تو مہینوں پہلے سے اس کے لیے زبردست تیاریاں کی جاتی ہیں، اس کے لائق جو ضرورتیں ہیں ان ضرورتوں کی تکمیل کی کوششیں کی جاتی ہیں، رمضان کا مہینہ بھی حقیقت میں ایسا مہمان ہے جس سے بڑھ کر شاید کوئی مہمان نہیں ہوسکتا، یہ ایک ایسا عظیم مہمان ہے جو لینے کے لیے نہیں بلکہ دینے کے لیے آتا ہے، یہ مغفرتیں دینے کے لیے آتا ہے، بخشش کے لیے آتا ہے، اصلاح نفس کے لیے آتا ہے، محاسبہ نفس کے لیے آتا ہے، زندگی کو صحیح رخ دینے کے لیے آتا ہے، حالات کو بدلنے کے لیے آتا ہے، لیکن یہ سب اسی وقت ہوسکتا ہے جب ہمارے اندر اس کا احساس پیدا ہو، اگر یہ احساس ہمارے اندر پہلے سے پیدا ہوگا اور ہم اس کے لیے تیاری کریں گے اور اس کے حسب حال تیاری کریں گے جو رمضان کا پیغام ومقام ہے اور اس میں کرنے کے جو کام ہیں، ہم ان کی طرف

(۱) شعب الإيمان للبيهقي، فضائل شهر رمضان: ۳۶۰۸

توجہ کریں گے تو اللہ کی رحمت ہمارے اوپر رمضان کا چاند نکلتے ہی ایسے مینھ کی طرح برسے گی کہ پورے مہینے برستی رہے گی، شاید ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اللہ کے جو بندے گناہ گار اور کمزور ہیں، ان سے غلطیاں ہوئی ہیں تو رمضان کا ایک عشرہ گذرتا ہے کہ اللہ ان کی مغفرت کا سامان کر دیتا ہے، پھر دوسرا عشرہ شروع ہوتا ہے جو مغفرت کا ہے اور بہت سے وہ گناہ گار بندے جو بڑے بڑے گناہ کرنے والے ہوتے ہیں، جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو اللہ ان کو بھی سعادت بخشتا ہے، ان کو بھی توفیق دیتا ہے اور وہ بھی اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں پھر اللہ ان کے لیے بھی بخشش کے فیصلے کرتا ہے اور ان کو جہنم سے نجات دیتا ہے، اسی طرح رمضان کا آخری عشرہ آتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو جہنم سے نجات دیتا ہے پھر جب رمضان المبارک کی آخری شب ہوتی ہے تو پورے رمضان میں جتنے لوگوں کی مغفرت ہوئی اور جتنے لوگوں کی مغفرت کا سامان ہوا، اس ایک رات میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کی مغفرت کا سامان فرماتے ہیں اور ان کے حق میں خیر کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے رحمت ومغفرت کے یہ فیصلے اور ان کا استحقاق اسی وقت ممکن ہے جب اس مہمان کی قدر کی جائے، جب پہلے سے اس کی تیاری کی جائے، واقعہ یہ ہے کہ آج ہم رمضان کی جو تیاریاں کرتے ہیں وہ افطاریوں کی تیاریاں ہوتی ہیں، سحری کی ضرورتوں کو جمع کرنے کی فکر ہوتی ہے، جس کو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے لیے بہت ضروری ہے، ہم اس کے لیے عمدہ مشروبات کا انتظام کرتے ہیں، اس کے لیے جو اپنی اور دنیا کی ضرورتیں ہیں ہمیں ان کا خیال ہوتا ہے لیکن جو حقیقت رمضان اور اس کی اصل روح ہے، ہمیں اس کی طرف توجہ نہیں ہوتی، ہمارا وقت انھی چیزوں کی خریداری میں صرف ہوتا ہے، ہم اس طرح کی وہ ساری چیزیں کرتے ہیں جن کا تعلق رمضان کے ظاہر سے ہے، حقیقت صوم سے نہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی حقیقت قرآن مجید میں بیان کی ہے جس کی طرف ہمیں توجہ کی ضرورت ہے، اللہ نے روزہ کا مقصد بھی بیان کیا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ نے یہ جو ہمیں مہمان دیا، یہ آتا ہے اور جاتا ہے اور اس شان کے ساتھ آتا ہے کہ ہر شخص پر سایہ فگن ہوتا ہے، یہ ہر گھر میں داخل ہوتا ہے، ہر شخص اگر چاہے تو اس کی لذت کو محسوس کر سکتا ہے لیکن جب تک آپ اس کے اس کرنٹ سے خود کو نہیں جوڑیں گے، اپنے کو وابستہ نہیں کریں گے اور اپنے تعلق کو اس سے مضبوط نہیں کریں گے، اس وقت تک آپ اس کی حقیقت کو نہیں پا سکتے، یہ مہینہ آئے گا اور چلا جائے گا، جس طرح تار میں کرنٹ آتا ہے، وہ آپ کے دروازے تک آ سکتا ہے لیکن آپ نے اپنے گھروں میں جو وائرنگ کی ہے، اگر آپ نے اس کا کنکشن نہیں کیا تو آپ کو کچھ حاصل ہونے والا نہیں، گویا یہ جو آپ کے دروازے تک کرنٹ آ رہا ہے، یہ بس آ رہا ہے اور جا رہا ہے، کب آیا اور کب گیا ہم کو اس کا کچھ پتہ نہیں، ٹھیک اسی طرح نہ جانے اللہ کے کتنے ایسے بندے ہیں کہ رمضان آتا ہے اور جاتا ہے، سایہ فگن ہوتا ہے اور اس کا سایہ ختم ہوتا ہے لیکن ایسے محروم القسمت بھی ہیں جن کو شاید اس کا احساس نہیں ہوتا، اسی کے برعکس ایک رمضان ایسے لوگوں کا بھی ہے کہ وہ ایک ایک لمحہ کی قیمت کو سمجھنے والے، پہلے سے اس کی تیاری کرنے والے اور جو اس کی اصل روح ہے، اس کی فکر کرنے والے ہیں۔

رمضان المبارک عبادات کا موسم ہے، اللہ کو راضی کرنے کا موسم ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ عبادتوں کا جشن عام ہے، اس میں اللہ کی ایسی رحمتیں برستی ہیں اور ایسا چراغاں ہوتا ہے کہ ہماری یہ مادی نگاہیں شاید اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتیں لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں وہ حقیقت بتائی ہے، اس لیے کسی حد تک ہم اس کا علم رکھتے ہیں۔

اس ماہِ مبارک کی قیمت کو اس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے جیسے کاروبار کا ایک خاص وقت (Peak Time) ہوتا ہے جس کو ہم عام زبان میں ''سہا لک'' کہتے

ہیں، مثال کے طور پر لوگ گاڑیاں کرایے پر دیتے ہیں تو ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ان کے یہاں شادیوں کے زمانہ میں بہت آسانی سے گاڑیاں نہیں ملتیں اور جو گاڑی عام دنوں میں ہزار روپئے پر ملتی ہے وہ شادی کے دنوں میں تین ہزار میں بہ مشکل ملتی ہے، اس لیے کہ سہالک کا زمانہ ہوتا ہے، اس وقت گاڑی والوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر ان کو کوئی دعوت دے، پروگرام میں مدعو کرے یا ان کے سامنے اہم سے اہم کوئی کام آجائے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ سہالک کا زمانہ ہے، ہم کو فرصت نہیں ہے، گویا سال بھر کی کمائی کا زمانہ ہے، اگر آج ہم آپ کے پاس آئیں گے تو سال بھر کے لیے ہم محروم ہوں گے۔

ہمارے شہر رائے بریلی میں لسی کی ایک مشہور دوکان ہے، جب اس کی سہالک کا زمانہ آتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ گویا مفت میں لسی تقسیم ہو رہی ہو، ہر وقت دوکان پر بھیڑ لگی رہتی ہے اور وہ تقریباً چار مہینوں میں سال بھر کی کمائی کر لیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر اس طرح کے کاروباری لوگوں کے سامنے ان کے سہالک کے زمانہ میں آپ کوئی بھی تقاضا رکھیں، یا کوئی ضرورت ان کے سامنے آجائے، یہاں تک کہ اگر بیٹے کی شادی کا بھی مسئلہ ہو تو وہ اس کو بھی ٹال دیں گے کہ اس وقت میں کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتا، اس لیے کہ یہ میری سال بھر کی کمائی کا مسئلہ ہے۔

حضرت امام سرہندیؒ نے اپنے مکتوبات میں یہ لکھا ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ اگر کسی کا اچھا گذر گیا تو اس کا پورا سال اچھا گذرتا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ مہینہ اچھا گزر گیا، اپنی پوری قوتِ ایمانیہ کے ساتھ، پورے احتسابِ نفس کے ساتھ، اپنی اصلاح کے جذبہ کے ساتھ اور ایک ایک لمحہ کی قدر کے ساتھ تو وہ ایسے مبارک لمحات ہوتے ہیں کہ اس کا اثر صرف سال بھر نہیں بلکہ بعض مرتبہ پوری زندگی پر پڑتا ہے اور زندگی کے اندر ایک تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جو لوگ رمضان سے قبل محض استقبال رمضان کے

عنوان سے جلسے کر لیتے ہیں، یہ جلسے کوئی رسم نہیں ہیں بلکہ اس میں شریک ہونے والوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ وہاں سے رمضان کا پیغام لے کر جائیں، اصل مقصود تقریریں یا جلسے نہیں ہیں، مقصود عمل ہے، ورنہ ان محفلوں میں کی جانے والی باتیں ہمارے خلاف حجت ہیں، اللہ جو باتیں کہلواتا ہے وہ اس لیے کہلواتا ہے کہ کہنے والا بھی سوچے، سننے والے بھی سوچیں اور ایک حقیقت لے کر جائیں، ایک طاقت لے کر جائیں، ایک پیغام لے کر جائیں جو رمضان کا پیغام ہے اور یہ طے کر کے جائیں کہ اللہ نے ہمیں جو بھی موقع دیا، یہ عمر جو ایک امانت ہے اور رمضان کے لمحات جو ہزار امانت ہیں، اس کا ایک ایک لمحہ نہ جانے کتنا قیمتی ہے۔

اگر آپ کو کوئی یہ بتائے کہ اس دوکان میں آٹھ سو روپے کا کپڑا بک رہا ہے، ابھی کل ایک دن کے لیے وہ کپڑا دس روپے میں یا پانچ روپے میں ملے گا تو ایک بھیڑ لگ جائے گی اور لوگ سوچیں گے کہ بہت سستے کا سودا ہے، گویا آج یہ دوکان لٹ رہی ہے، جتنا بھی لینا ہے لے لیا جائیے، اسی طرح یہ مہینہ بھی وہ ہے کہ اس میں ایک کے ستر ملتے ہیں اور ستر بھی کیا' اللہ کا خزانہ بھرا ہوا ہے، اس کے یہاں کوئی راشننگ نہیں ہے، وہ جب دینے پر آتا ہے تو ایسا دیتا ہے اور ایسوں کو دیتا ہے جن کو تصور بھی نہیں ہوسکتا۔

رمضان المبارک اللہ تعالیٰ سے کچھ لینے کا زمانہ ہے، اس مہینہ میں ہمیں اپنا پیالہ سیدھا کرنے کی ضرورت ہے، آپ کو کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ مشروب دے دے، آب زم زم دے دے، یا آب حیات دے جو زندگی کے لیے کافی ہو، آپ اپنا برتن لے کر جائیں اور آپ کا برتن سیدھا نہ ہو بلکہ الٹا ہو تو کچھ حاصل نہیں ہوگا، کوئی ہزار نعمت اس کے اندر ڈال دے لیکن آپ کی جھولی میں یا آپ کے برتن میں کچھ بھی آنے والا نہیں، معلوم یہ ہوا کہ جب تک طلب اور شوق پیدا نہیں ہوگا، اندر سے تیاری نہیں ہوگی، اپنے دل کے برتن کو

ٹھیک نہیں کیا جائے گا، اپنے دماغوں میں جو افکار بھرے ہیں اور جو غلاظتیں بھری ہوئی ہیں، ان کو صاف نہیں کیا جائے گا، اس وقت تک رمضان المبارک کی تیاری نہیں ہوگی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان غنی ہے، استغناء جتنا زیادہ اللہ کی بارگاہ میں ہے شاید کہیں ہو، وہ یہ دیکھتا ہے کہ ہمارا بندہ لینا چاہتا ہے اور اس کے اندر طلب ہے یا نہیں؟ اگر وہ طلب دیکھتا ہے تو بھر بھر کر دیتا ہے اور اگر وہ دیکھتا ہے کہ اس بندہ کو کوئی پرواہ نہیں کہ کیسی قیمتی چیزیں تقسیم ہو رہی ہیں بلکہ برس رہی ہیں لیکن اس کی حالت یہ ہے کہ وہ مستغنی بیٹھا ہے اور اپنے کاروبار میں، اپنی دوکان میں، اپنے دنیوی مشاغل میں یا دوکانوں میں وقت گذار رہا ہے، ہوٹلوں میں وقت گذاری کر رہا ہے اور صرف کھانے پکانے کی فکر میں لگا ہے تو پھر خدا ایسے بندہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے، اس لیے ہمیشہ چوکنا رہنا چاہیے، نہ جانے شیطان کہاں کہاں سے ڈستا ہے، بعض مرتبہ شیطان آدمی کو ایسے مشاغل میں الجھا دیتا ہے، ہوسکتا ہے ان مشاغل کو بہت سے لوگ دین کا نام دیں لیکن یاد رکھئے! حقیقت میں یہ وقت کو ضائع کرنے کا ایک بہانہ ہوتا ہے۔

رمضان المبارک میں بعض جگہوں کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہاں لوگوں کو رمضان اور عید کی تیاری کی فکر لاحق رہتی ہے اور وہاں کے بازاروں میں ٹریفک جام ہوتا ہے، برقع پوش خواتین کی قطاریں لگتی ہیں، جب کہ مناسب بات یہ ہے کہ اس طرح کی ساری تیاریاں رمضان سے پہلے ہی مکمل کر لی جائیں، افسوس کی بات ہے کہ اس مہینہ کے مبارک وقت میں جب کہ ایک ایک لمحہ قیمتی ہوتا ہے، ہم اپنا وقت بازاروں میں ضائع کریں، حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ بہت سے لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اگر رمضان میں خریدیں گے اور لوگوں کو دیں گے تو اس کا زیادہ ثواب ہے، بلاشبہ خریدنا اور دینا بڑا اچھا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا خریداری رمضان المبارک سے پہلے ممکن نہیں؟ آپ اگر پہلے

سے تیاری کرلیں اور رمضان کے لیے مستعد ہوجائیں تو آپ ہی کا فائدہ ہو، سب جانتے ہیں کہ جب سہالک کا زمانہ دوکان میں آتا ہے تو عید سے پہلے ہی دوکان دار کپڑے کی دوکانوں میں کپڑے کا انبار لگادیتے ہیں، ان کی پوری تیاری پہلے سے ہوتی ہے، وہ یہ نہیں کرتے کہ عید کی رات میں جائیں اور پھر اپنی دوکان سجائیں، وہ تو یہ سوچتے ہیں کہ اگر ہماری ابتداء کے دو گھنٹے بے کار گئے تو کیا فائدہ، اس وقت میں ہم کتنا کما سکتے تھے، اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ کمائی کے لیے پہلے سے تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔

رمضان المبارک ہمارے لیے کمائی کا موسم ہے، اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، افسوس کی بات ہے کہ آج نیکیوں کی قیمت ہمارے دلوں سے نکل گئی، آج ہمارے دلوں میں ڈالر کی قیمت ہے، روپئے اور پیسے کی قیمت ہے، اگر ہمیں معلوم ہوجائے کہ فلاں جگہ پر ہمیں ڈالر اور ریال مل جائیں گے تو شاید ہماری راتوں کی نیند اڑ جائے اور ہم وہاں جاکر لائن لگانے کے لیے تیار ہوجائیں لیکن نیکیاں بٹ رہی ہوں اور ہمیں اس کا احساس نہ ہو یہ بڑے غور وفکر کا مقام ہے۔

ضرورت ہے کہ رمضان کی آمد سے پہلے ہی ہم طے کرلیں کہ ہمیں اپنا ایک ایک لمحہ قیمتی بنانا ہے، اپنا زیادہ تر وقت تلاوت اور اذکار میں گذارنا ہے، رمضان کے آداب کا خیال رکھنا ہے، ایسا نہ ہو کہ رمضان میں بھی غیبت ہورہی ہے، زبان کی کوئی حفاظت نہ ہو اور اس کے علاوہ لغویات میں وقت گذارا جائے، آج ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ہمارے نوجوان بے کار چیزوں میں لگے رہتے ہیں، موبائل میں لگے ہیں، اس میں گیم کھیلا جارہا ہے، کیا رمضان کا مہینہ گیم کھیلنے کے لیے تھا؟ یہ اپنے وقت کو ضائع کرنے کے لیے تھا؟ یہ تو ایسا قیمتی مہینہ ہے کہ ایک ایک لمحہ آدمی وصول کرے۔

ہمیں پہلی بات یہ طے کرنی ہے کہ رمضان مبارک کی ظاہری تیاری کے ساتھ

باطنی تیاری کرنا ہے، رمضان تلاوت کا مہینہ ہے، تراویح اور اذکار کا مہینہ ہے اور اس کے ساتھ یہ شہر المواساۃ یعنی غم گساری کا مہینہ بھی ہے، آپ اگر غیر رمضان میں دوسروں کے ساتھ سلوک کرتے ہیں تو اس مبارک مہینہ میں آپ یہ تیاری کریں کہ اس سے کئی گنا زیادہ آپ کا حسن سلوک بڑھ جائے گا، یہ سلوک پیسوں سے بھی ہوتا ہے، اچھے بول سے بھی ہوتا ہے، خدمت سے بھی ہوتا ہے، اپنے اہل تعلق اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے اور اخلاق برتنے سے بھی ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ یہ مہینہ محاسبہ نفس کا ہے، اس سے بڑھ کر کوئی مہینہ نہیں جس میں ہم توبہ کریں اور اپنے حالات کو سنواریں، آج ہمارے آپس کے تعلقات نہایت خراب ہیں، ہوسکتا ہے بہت سے خاندان اور بہت سے افراد ایسے ہوں کہ ان کے اندر آپس کی پھوٹ اور آپس کی لڑائیاں ہوں، ان کو چاہیے کہ رمضان سے پہلے اپنے معاملات کو صاف کرلیں۔ حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک کی اپنی پہلی تقریر میں فرماتے تھے کہ آپ یہاں سے طے کرکے جایئے کہ انشاء اللہ ہم اپنے آپس کے جھگڑوں کو نمٹائیں گے، اس گندگی کو جو ہمارے دل میں آگئی ہے، یہ کینہ کپٹ اور یہ بغض جو ہمارے دل میں پیدا ہوگیا ہے، ہم اس کو نکالیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ہمارے اندر جو بھی خرابیاں ہیں ان کو دور کریں گے۔

رمضان محاسبہ نفس کا بہترین موسم ہے، اس لیے ہم پہلے سے طے کرلیں کہ یہ ساری خرابیاں ہم انشاء اللہ دور کریں گے، ہم توبہ کریں گے، وراثت کی صحیح تقسیم کریں گے، جائیداد کی صحیح تقسیم کریں گے، غلط کاموں سے توبہ کریں گے، آپس کے جھگڑوں کو نمٹائیں گے، ہم سے جو فضول خرچیاں ہوتی ہیں اور ہم غلط کاموں میں جو خرچ کرتے ہیں ان سے بچیں گے، اس مبارک مہینہ میں جب کہ ایک کے ستر اور سات سو بن

جائیں اور ہزاروں گنا اجر بڑھا دیا جائے، اس وقت ہم اپنا خزانہ جمع کر کے اس لیے رکھیں گے کہ اس مہینہ میں اللہ کے راستے میں ہمیں دینا ہے، انشاء اللہ یہ ہمارے لیے مغفرت کا ذریعہ بنے گا۔

تیسری بات یہ کہ ''تقویٰ'' رمضان کا سب سے بڑا پیغام ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں روزہ کا مقصد بتایا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِن قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۱۸۳)

(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔)

تقویٰ کیا ہے؟ اسلام کی زندگی، مکمل اسلام کو اختیار کرنا، اسلام کو خانوں میں نہ بانٹنا، اپنی مکمل زندگی کو شریعت کے مطابق بنانا، یہ ہماری ذمہ داری ہے اور یہی تقویٰ ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہی روزہ کا مقصد ہے اور یہی روزہ کا پیغام ہے، اس لیے یہ بات بھی طے کر لیں کہ اس مبارک مہینہ میں ہم اپنا مزاج تقویٰ کا بنائیں گے۔

رمضان المبارک حقیقت میں ایک ریہرسل ہے، جب ہم نے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک حلال وطیب چیزوں کو چھوڑا، آب زمزم کو چھوڑا، روزہ سے بہت جی چاہتا ہے کہ ہم زمزم کا پانی پی لیں لیکن اللہ کا حکم ہے کہ اس وقت حلق کے نیچے کوئی چیز نہیں جاسکتی تو ہم اس کی پابندی کرتے ہیں اور حلال وطیب چیزیں اللہ کے لیے چھوڑتے ہیں، اب جب رمضان کا مہینہ چلا جائے پھر اس کے بعد ہمیں کوئی پرواہ نہ ہو؟ ہم حرام چیزوں کی طرف آگے بڑھ جائیں؟ حرام مال کھانے پر آمادہ ہو جائیں اور خدانخواستہ ایسے غلط کام کرنے لگیں جو ہمارے لیے بالکل اس طرح سے نجس ہیں

جیسے نجاست ہوتی ہے؟ یہ بڑے افسوس کی بات ہوگی۔

انشاءاللہ رمضان المبارک میں ہمیں تقویٰ والا ماحول بنانا ہے، اپنے آس پاس کے علاقوں کا بھی ایسا ماحول بنانا ہے اور لوگوں کا یہی مزاج بنانا ہے تاکہ ہر کسی کے اندر اللہ کا لحاظ پیدا ہو، رمضان کا مہینہ گویا اس کی ریہرسل ہے کہ جب ہم رمضان المبارک میں حلال وطیب چیزوں کو اللہ کے لیے چھوڑتے ہیں تو پھر غیر رمضان میں ہلال عید کے طلوع کے بعد یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم حرام چیزوں سے نہ بچیں اور اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی نہ گذاریں، افسوس کی بات ہے کہ ہمارے نوجوان عید کا چاند دیکھتے ہی آزاد ہوجاتے ہیں کہ اب جو چاہیں کریں اور جہاں چاہیں جائیں۔

حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بلیغ بات فرماتے تھے کہ یہ رمضان المبارک جو ہمیں ملا ہے، یہ روزہ جو ہم پر فرض کیا گیا ہے اور یہ اللہ کی نعمت جو ہمیں ملی ہے، حقیقت میں آپ دیکھئے تو یہ بڑے روزہ کا تحفہ ہے، ایک بڑے روزہ کے نتیجہ میں اللہ نے ہمیں یہ نعمت دی ہے اور وہ بڑا روزہ اسلام کا روزہ ہے، اس اسلام کے روزہ کے نتیجہ میں اللہ نے ہمیں رمضان کا روزہ دیا، ہم نے رمضان کا روزہ رکھا، ہم نے اس کی احتیاط کی، ہم نے الحمدللہ اچھا وقت گذارا لیکن ہمیں طے کرنا ہے کہ جس طرح ہم نے رمضان کے روزے رکھے اور ہم نے احتیاط کی، اسی طرح اللہ نے جو ہمیں ایک بڑا روزہ دیا ہے جو اسلام کا روزہ ہے، جس کا آغاز بلوغ سے ہوتا ہے، شعور کی زندگی سے ہوتا ہے اور اس کا اختتام موت پر ہوگا اور اس کا افطار اللہ کے رسول ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے جام کوثر پر ہوگا اور اس کی نعمتیں جنت میں ملیں گی، یہ سب سے بڑا روزہ ہے جس کے نتیجہ میں ہمیں رمضان کا روزہ ملا بلکہ جس کے صدقہ میں ہمیں رمضان کا روزہ ملا ہے، ضرورت ہے کہ اس بڑے روزہ کی بھی قدر ہم اپنے اندر پیدا کریں۔

رمضان کی تیاری اس طرح کرنی چاہیے کہ اپنے سارے ذاتی کام نمٹا کر اس کے لیے انسان بالکل فارغ ہوجائے، اپنے آپ کو رمضان کے لیے اس طرح فارغ کردے کہ یہ ہمارے سال بھر کی کمائی ہے، اس میں ایک لمحہ کی غفلت نہ جانے کتنے دنوں کا نقصان کر جائے گی، اس کی تیاری پہلے سے کرنی چاہیے تاکہ ہمارا ایک لمحہ بھی غفلت میں نہ گزرے اور ہم اللہ کی رحمت کے پہلے دن سے مستحق ہوجائیں پھر یہ پورا مہینہ پوری عظمت کے ساتھ گذرے، احتیاط کے ساتھ گذرے، ایسا نہ ہو کہ ایک گھر والے دوسرے گھروں میں جا کر بیٹھ گئے اور باتیں ہورہی ہیں، ظاہر ہے کہ جب باتیں ہوتی ہیں تو زبان قابو میں نہیں رہتی اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غیبت بھی ہوتی ہے، چغلی بھی ہوتی ہے، جھوٹ بھی بولا جاتا ہے اور نہ جانے کیا کیا نامناسب باتیں زبان سے نکلتی ہیں، ان سب امور سے توبہ کرنا چاہیے اور ہر شخص کو یہ طے کرنا چاہیے کہ انشاء اللہ یہ پورا مہینہ عظمت وآداب کے ساتھ گذاریں گے۔

رمضان کا مہینہ احتساب نفس کا ہے، اس لیے یہ بھی طے کرنا چاہیے کہ انشاءاللہ رمضان میں ہم اپنا جائزہ لیں گے، اپنی زندگی کا جائزہ لیں گے، اپنے معاملات کو دیکھیں گے، اپنی عبادات کا جائزہ لیں گے کہ اس سے پہلے نمازوں کا اہتمام کتنا تھا اور اب کتنا ہے؟! یہ بھی طے کریں کہ یہ رمضان جو اللہ نے ہمیں دیا، ہم اس کی قدر کریں گے اور اپنی اصلاح کریں گے اور آخری بات یہ کہ رمضان کا پیغام ہے تقویٰ کی زندگی اختیار کی جائے، تقویٰ کا مزاج بنایا جائے، انشاءاللہ اگر ان باتوں کا ہمیں خیال رہا تو یہ رمضان ہمارے لیے بہت برکت والا ہوگا، اس سے ہمیں پیغام ملے گا، ہماری زندگی اس کے ذریعہ سے بدلے گی، پہلے ہم خود یہ بات طے کریں اور اپنے اپنے گھروں میں بھی ان باتوں کا چرچا کریں اور ان کا مذاکرہ کریں، اس کے ذریعہ انشاء اللہ رمضان کی روح بیدار ہوگی اور حقیقت رمضان اور روزہ کی حقیقت ہمیں نصیب ہوگی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اہل ایمان کے جذبات کو قبول فرمائے اور ہمارے دلوں کے اندر اللہ ایک ایسے جذبہ کے منتقل ہونے کا ذریعہ بنادے کہ رمضان پھر حقیقی رمضان ہو جو ہماری مغفرت کا ذریعہ بنے، ہم سے وہ مہمان ناراض ہوکر نہ جائے جس کے لیے اللہ کے رسول ﷺ نے یہ بددعا کی کہ

"رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُغْفَرَ لَهُ."(۱)

(اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس پر رمضان آیا پھر وہ مہینہ گذر گیا اور اس کے گناہ معاف نہ ہوئے۔)

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بددعا کی اور آپ ﷺ نے اس پر آمین کہی۔(۲)

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اس سے ہماری حفاظت فرمائے، اگر ہم نے ان امور پر توجہ دی تو یہ رمضان ہماری زندگی کے لیے انشاء اللہ ایک سنگ میل ثابت ہوگا، اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔ آمین!

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب...: ۳۸۹۰

(۲) ملاحظہ ہو: شعب الإيمان للبيهقي، فضائل شهر رمضان: ۳۶۲۲

رمضان المبارک سے قبل چند اہم گذارشات

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہٖ أجمعین وعلیٰ من تبعھم بإحسان ودعا بدعوتھم إلیٰ یوم الدین أما بعد! فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم: ﴿یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِن قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُونَ﴾ صدق اللّٰہ العظیم، وقال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اَلصَّوْمُ لِیْ وَأَنَا أَجْزِیْ بِہٖ. وقال: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِیْمَاناً وَاحْتِسَاباً غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ. أو کما قال علیہ الصلاۃ والسلام.

میرے محترم دینی اور ایمانی بھائیو!

اللہ کے رسول ﷺ رمضان سے پہلے اکثر خطاب فرماتے تھے اور لوگوں کو اس کی طرف توجہ دلاتے تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر پہلے سے تیاری نہ کی جائے اور اس کے تقاضوں کو پورا نہ کیا جائے تو اس کا ڈر ہے کہ یہ مہمان آئے اور چلا جائے لیکن ہمیں اس سے جو فائدہ ہوسکتا ہے وہ حاصل نہ ہو بلکہ مزید نقصان ہو۔ ہمارے یہاں اگر کوئی ایسا معزز مہمان آتا ہے جس کے پاس دینے کے لیے بہت کچھ ہے اور اس کے اندر

نقصان پہنچانے کی بھی صلاحیت ہے تو اس کی پوری خاطر داری کی جاتی ہے اور میزبان یہ سوچتا ہے کہ یہ مہمان ناراض نہ ہو جائے، اس لیے کہ اگر مہمان ناراض ہو گیا تو اس میں دو نقصان ہیں: پہلا یہ کہ اس سے جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں' آدمی ان سے محروم ہو جائے گا اور اگر مہمان زیادہ ناراض ہو گیا تو ممکن ہے کہ وہ مزید نقصان پہنچا دے، اس لیے کہ اس کے اندر نقصان پہنچانے کی بھی صلاحیت ہے۔

اگر دیکھا جائے تو رمضان کا مہینہ حقیقت میں اسی طرح کا ایک مہمان ہے، یہ مہمان کسی انسان کی شکل میں نہیں آتا مثلاً: آپ یہ سوچیں کہ کسی ملک کا وزیر اعظم یا بادشاہ آنے والا ہے، یا آپ ہی کے ملک کا کوئی بڑا عہدہ دار آنے والا ہے، ظاہر ہے رمضان کسی انسان کی شکل میں نہیں آتا بلکہ وہ ایک ایسی لطیف اور حساس چیز ہے جو ہمارے گھروں میں، ہمارے شہروں میں اور ساری دنیا میں ایسے دبے پاؤں داخل ہوتا ہے کہ احساس کرنے والا محسوس کر سکتا ہے لیکن اگر کوئی بے حس ہے تو اس کو پتہ نہیں چلے گا کہ کیا ہوا؟ کون آیا اور کون گیا؟ ہمیں اس سے کیا مل سکتا تھا اور ہم اس سے کیا کچھ حاصل کر سکتے تھے؟ پھر یہ کہ وہ ایسا چلا گیا کہ ہمیں کچھ خبر ہی نہ ہوئی، ہم نے اس کی بڑی ناقدری کی اور اب ڈر ہے کہ کہیں اس کے نتیجہ میں نقصان نہ ہو۔ حاصل یہ کہ رمضان ایک عجیب مہمان ہے، اگر یہ آدمی سے خوش ہوتا ہے تو بہت کچھ دے کر جاتا ہے اور اگر ناراض ہوتا ہے تو بہت کچھ لے کر جاتا ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہمیں ایسے مہمان کی تیاری کس طرح کرنی چاہیے؟ اگر مہمان کوئی انسان ہو تو اس کے کھانے پینے کا انتظام کیا جائے، اس کے بستر اور رہنے کا انتظام کیا جائے، لیکن یہ انسان نہیں بلکہ ایک مہینہ اور ایک زمانہ ہے، اللہ نے زمانہ پیدا کیا اور اس کو مہینوں کے اعتبار سے سال میں تقسیم کیا ہے، یہ زمانہ بجائے خود ایک بہت بڑی چیز ہے، آدمی اس میں بہت کچھ کر سکتا ہے لیکن لوگ اس سے بھی گھاٹا

اٹھاتے ہیں، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ☆ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ☆ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ (العصر: ۱-۳)

(زمانے کی قسم! یقیناً انسان گھاٹے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے اور انھوں نے ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔)

زمانہ سے انسان اس لیے گھاٹا اٹھاتا ہے کہ اللہ نے مہینہ دیا ہے، اللہ نے سال اور ایام دیئے ہیں، حاصل یہ کہ زندگی عطا فرمائی ہے لیکن ہم اس زندگی میں کیا کھوتے اور کیا پاتے ہیں؟ اس سلسلہ میں ہم کبھی غور نہیں کرتے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھی دنوں اور مہینوں میں رمضان کا بھی ایک ایسا مہینہ رکھا ہے کہ جو چیز ہم بقیہ مہینوں میں حاصل کرتے، اس کے مقابلہ میں اس مہینہ کے اندر کم از کم ہم اس سے ستر گنا زیادہ وہ چیز حاصل کر سکتے ہیں، ورنہ ہزاروں گنا بھی وہ چیز حاصل کر سکتے ہیں۔

سہالک کے زمانہ سے اس بات کو اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے، اگر آپ کی گاڑی کرایہ پر عام دنوں میں ایک ہزار روپئے کما کر دیتی ہے تو وہی گاڑی سہالک کے دنوں میں ممکن ہے کہ پانچ ہزار یومیہ کما کر دے، لیکن رمضان کا مہینہ ایک ایسی سہالک ہے کہ عام دنوں میں ہمیں ایک روپیہ کا جو فائدہ ہوتا تھا، رمضان کے دنوں میں وہ فائدہ کم از کم ستر گنا بڑھ جاتا ہے، گویا جہاں ایک ہزار کا فائدہ تھا، اب وہاں ستر ہزار کا فائدہ ہے اور جہاں ایک لاکھ کا فائدہ تھا، اب وہاں ستر لاکھ کا فائدہ ہے۔

غور کا مقام ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ رمضان المبارک کی شکل میں ہم کو کیسی نعمت سے نوازتا ہے، لیکن مسلمانوں کی زندگی کا عمومی حال یہ ہے کہ ہر موقع پر انتہائی درجہ غافل نظر آتے ہیں، اگر یہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو کہ اس وقت مسلمانوں کی غفلت

ایسی ہوگئی ہے کہ دین ہی نہیں بلکہ دنیا میں بھی ان کی وہ غفلت نظر آتی ہے، آج کل دنیا میں لوگ آگے بڑھتے ہیں اور بڑھتے چلے جاتے ہیں، پڑھتے ہیں اور پڑھتے چلے جاتے ہیں، کماتے ہیں اور کماتے چلے جاتے ہیں، لیکن مسلمانوں کا عجیب حال ہے، نہ ہم دنیا کے رہے اور نہ دین کے، البتہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی توجہ دنیا کی طرف رہتی ہے، لیکن وہ بھی یہ بات نہیں سمجھتے کہ ہم دینی اعتبار سے کیا کر سکتے تھے اور اس کا کیا فائدہ ہوسکتا تھا اور دین و دنیا کا فرق کیا ہے؟ دنیا میں ہم کو کیا ملے گا اور دینی اعتبار سے ہم نے محنت کی تو اس کا کیا اجر ملے گا؟

رمضان المبارک غور و فکر کا مہینہ ہے، اب اگر ہم نے یہ غور و فکر اس مہینے کی آمد سے پہلے کر لیا اور اس کی تیاری بھی کر لی تو رمضان کا چاند نظر آتے ہی اس کے فوائد حاصل ہونا شروع ہو جائیں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا کنکشن پہلے سے جڑا ہوا ہے، گویا جیسے ہی لائٹ آئی، بیٹری کی چارجنگ شروع ہوگئی لیکن اگر کنکشن جڑا ہوا نہیں ہے پھر لائٹ آئی اور اس وقت آپ نے کنکشن جوڑنے کے لیے بھاگ دوڑ شروع کی تو چارجنگ شروع ہونے میں دیر لگے گی اور اگر بیٹری چارج نہ ہوسکی تو پھر وہی اندھیرے کا اندھیرا ہی رہے گا۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارا عام مزاج غفلت کا ہے، اگر ہم تیاری کرتے بھی ہیں تو صرف ظاہری چیزوں کی تیاری کو کافی سمجھتے ہیں، گویا جیسے کوئی انسان بیٹری کا کنکشن لائٹ سے کرنے کے بجائے صرف بیٹری صاف کرنے پر دھیان دے رہا ہو، جب کہ ضرورت پہلے مرحلہ میں تار جوڑنے اور کنکشن کرنے کی ہے۔ ہماری غفلت کا عالم یہ ہے کہ اگر ہم رمضان کے لیے پہلے سے تیاری کرتے بھی ہیں تو سحری و افطار کی یا گھر کی صفائی ستھرائی کی، اس میں شبہ نہیں کہ یہ انتظام اور نظافت کا یہ اہتمام درست ہے لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہم اصل کرنے والے کام کی طرف توجہ بالکل نہیں کرتے۔

رمضان المبارک کوئی انسان نہیں ہے جو آپ کا گھر اور بستر دیکھے گا بلکہ وہ ایسی

لطیف چیز ہے کہ جب وہ آتا ہے تو سب سے پہلے ہمارا دل دیکھتا ہے، ہمارا دماغ دیکھتا ہے اور ہمارے کاموں کو دیکھتا ہے کہ یہ کتنے پانی میں ہیں؟ اب جب وہ ہمارے دل و دماغ کو صاف ستھرا دیکھتا ہے اور ہمارے کاموں کو اچھا پاتا ہے تو اس کو اچھا لگتا ہے اور وہ وہاں فروکش ہوجاتا ہے، پھر وہیں سے وہ اللہ کی دی ہوئی رحمتیں تقسیم کرتا ہے جن رحمتوں کو اللہ نے رمضان کے ساتھ جوڑ دیا ہے، لیکن یہ رحمتیں اس کے لیے ہیں جو پہلے سے رمضان کی تیاری کرے اور رمضان اس کو دیکھ کر خوش ہوجائے۔

رمضان کی آمد سے پہلے ہمیں اپنے حالات کو درست کرنا چاہیے اور اس سلسلہ میں دو باتوں کا بنیادی طور پر خیال رکھنا ضروری ہے، پہلی بات یہ کہ بندوں کا حق ادا کرنے کی فکر کی جائے، یاد رکھئے! اگر ہمارے ذمہ بندوں کا حق ہے اور اس کے ساتھ ہم نماز روزہ سب کر رہے ہیں تو خطرہ ہے کہ کہیں یہ سب کام بے کار نہ چلے جائیں، حدیث میں آتا ہے کہ اگر دنیا میں کسی کا حق مارا ہے، یا کسی کو ستایا ہے اور کسی کو تکلیف دی ہے تو قیامت کے روز وہ سارے دعوے دار سامنے آئیں گے اور اپنے حق کا مطالبہ کریں گے، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ." (۱)

(میری امت کا مفلس آدمی وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس طرح آئے گا کہ (دنیا میں) اس کو گالی دی ہوگی اور

(۱) صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظلم: ٦٥٧٩

اس پر بہتان لگایا ہوگا اور اس کا مال کھایا ہوگا اور اس کا خون بہایا ہوگا اور اس کو مارا ہوگا تو اس کی نیکیوں میں سے اس کو بھی دیا جائے گا اور اس کو بھی دیا جائے گا اور اگر اس پر جو ذمہ ہے اس کی ادائیگی سے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان کے گناہوں کو لے کر اس پر ڈالا جائے گا پھر اس کو اوندھے منہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔)

مثلاً: آپ نے دنیا میں کسی کے پانچ ہزار روپئے غبن کیے تھے جو نہیں دیئے، یا یہ کہ آپ کے یہاں وراثت کی تقسیم ہوئی مگر آپ نے بہن کا حق ادا نہیں کیا، یا یہ کہ کسی کو ستایا اور کسی کا مشترک کاروبار ہے تو اس میں حق دبالیا، یا یہ کہ کبھی پھٹا نوٹ چلا دیا لیکن یہ بھول گئے کہ آخرت میں اس کا انجام کیا ہوگا؟!

سوچنے کی بات ہے کہ ایسے کتنے لوگ ہوں گے جو قیامت میں آدمی کے سامنے اپنا حق لینے کے لیے کھڑے ہوں گے، کسی نے دنیا میں کسی کی غیبت کی، کسی کو برا بھلا کہا، کسی پر الزام لگایا، اسی طرح دنیا میں اپنے پڑوسی کا حق نہیں سمجھا، یہ سب وہ باتیں ہیں جن کا شمار حق تلفی میں ہوتا ہے اور قیامت کے دن ان پر بندہ کا مؤاخذہ ہوگا۔

آج کے دور میں یہ ایک عجیب مزاج بنا ہوا ہے، ہر آدمی کو اس بات کی فکر ہے کہ سب کچھ ہمیں ملے لیکن ہمارے ذمہ کیا چیز ہے، اس کی پرواہ کسی کو نہیں۔

قیامت کے دن جب سب دعوے دار اپنا حق لینے کے لیے سامنے آئیں گے تو وہاں کسی نوٹ یا کرنسی کے بدلے حق ادا نہیں کیا جائے گا بلکہ وہاں انسان کی نیکیاں بدلے میں دی جائیں گی، نمازیں دی جائیں گی، روزے دیئے جائیں گے، نوافل دیئے جائیں گے، صدقات دیئے جائیں گے اور خیرات دی جائے گی پھر جب سب نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور مزید دعوے دار باقی رہ جائیں گے تو ارشاد ہوگا کہ اب ان کی برائیاں اس کے سر ڈال دو، یہاں تک کہ منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں اس کو پھینک دیا جائے گا ۔

وہ مایوس تمنا کیوں نہ سوئے آسماں دیکھے
کہ جو منزل بہ منزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے

انتہائی درجہ افسوس کی بات ہے کہ دنیا میں آدمی سب کچھ کر کے گیا لیکن آخرت میں کچھ بھی اس کے کام نہ آیا، اسی لیے سب سے پہلا اور توجہ طلب مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے جو حقوق رکھے ہیں، ہم طے کریں کہ ہلال رمضان کے طلوع سے پہلے ہمیں وہ حقوق ادا کرنا ہیں، ہم یہ طے کریں کہ اگر اب تک ہم نے وراثت میں اپنی بہن کا حق نہیں دیا ہے تو جلد از جلد یہ فریضہ انجام دیں گے تاکہ ہمارے ذمہ یہ فرض باقی نہ رہ جائے، ایسا نہ ہو کہ مرنے کے بعد حسرت ویاس کے سوا ہمیں کچھ نہ ملے۔

آج کل اچھے اچھے دین داروں کا حال یہ ہے وہ بھول جاتے ہیں کہ دین کیا ہے؟ حقیقت میں دین وہ ہے جو ہمارے نبی ﷺ نے بتایا، دین وہ نہیں جو ہم نے سمجھا، ہمیں شرعی حقوق معلوم کرنا چاہیے اور جس کا جو حق ہو وہ ادا کرنا چاہیے، اگر کسی سے آدمی نے قرض لیا ہے اور وہ ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہے لیکن اس کے باوجود ادا نہیں کرتا تو وہ طے کرے کہ رمضان سے پہلے اس قرض کو ادا کرنا ہے۔

اسی طرح اگر کسی کو تکلیف دی ہے، یا کسی کو برا بھلا کہا ہے، یا کسی کو گالیاں دی ہیں، یہاں تک کہ مقدمہ بازیاں بھی کر دی ہیں تو طے کریں کہ ہم ان تمام صورتوں میں صاحب معاملہ سے میں معافی مانگیں گے اور اگر ہم نے کسی پر مقدمہ کیا ہے تو وہ واپس لیں گے۔

میں آج کے ان حالات میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اگر آپ غیروں کی عدالت میں مقدمہ لے جاتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ اس میں ہمارا فائدہ ہے، پھر اس کے نتیجہ میں ہمارے اندر دین کا فائدہ اور اس کی فکر باقی نہیں رہتی تو یاد رکھیں کہ ہمارا ایمان خطرہ میں ہے، اللہ کے دیئے ہوئے احکامات کا یقین اور اللہ کے نبی ﷺ کی شریعت کا یقین ہمارے ایمان کا حصہ ہے، اگر وہ یقین باقی نہ رہے تو ایمان ختم ہو جاتا ہے،

اس لیے اگر کسی نے ہمارا حق مارا ہے تو ہم کہیں نہ جائیں بلکہ اسلامی عدالت کا رخ کریں اور یہ طے کر کے جائیں کہ وہاں سے جو فیصلہ ہوگا وہ ہمیں منظور ہوگا، اس لیے کہ وہ کوئی شخصی فیصلہ نہ ہوگا بلکہ حقیقت میں وہ فیصلہ اللہ کے نبی ﷺ کا ہے اور ان کے بعد کسی کے فیصلے کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی، قرآن مجید میں ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

(النساء: ٦٥)

(بس نہیں آپ کے رب کی قسم! وہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں پھر آپ کے فیصلہ پر اپنے جی میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور پوری طرح سر تسلیم خم کر دیں۔)

آج ہمارے مسلم سماج کا حال یہ ہے کہ بعض مرتبہ صرف ناک کی خاطر آدمی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا، آدمی اپنے بھائی بہن کا حق ادا کرنے کو تیار نہیں ہے، وہ یہ بھول جاتا ہے کہ یہ ناک کتنے دن تک باقی رہے گی، کل قیامت میں تو دس دفعہ یہ ناک رگڑی اور کاٹی جائے گی، پھر وہاں ذلت وخفت اور اس کے ساتھ آخری درجہ کی جو تکلیف ہوگی، آدمی اس دنیا میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اگر ہم نے یہ عہد کر لیا کہ ہمیں ہر حق والے کا حق طلوع رمضان سے قبل ادا کرنا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ رمضان کس شان کے ساتھ آپ کے گھروں میں آتا ہے۔

حقوق العباد کے سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین رہنا چاہیے کہ اگر کسی کے ذمہ بندوں کا حق ہے تو اللہ اس کو اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک بندے خود معاف نہ کر دیں اور اس میں شبہ نہیں کہ آخرت میں بندے اپنا حق معاف نہیں کریں گے، اس لیے کہ انہیں وہاں نیکیوں کی ضرورت ہوگی، وہ تو یہ سوچیں گے کہ فلاں کا دنیا میں ستانا

بڑا اچھا ہوا، اس لیے کہ آج ہمیں نیکیوں کی ضرورت ہے، پھر اللہ کا فیصلہ ہوگا اور نیکی دینی پڑے گی، وہ عدالت اللہ کی ہوگی نہ کہ دنیا کی جہاں کچھ دے دلا کر بھی کام چل جاتا ہے، اللہ کی عدالت کا حال تو یہ ہے کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے کسی بے سینگ والی بکری کو سینگ مارا ہے تو اللہ قیامت میں اس سے بھی بدلہ دلوائے گا، حدیث میں ہے:

"لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ إِلَى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ."(۱)

(قیامت کے دن ہر حال میں حقوق ان کے حق داروں کو ادا کیے جائیں گے، حتی کہ بغیر سینگ والی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے بھی لیا جائے گا۔)

گویا اللہ تبارک وتعالیٰ یہ دکھائے گا کہ وہاں کسی بھی ظلم کرنے والے کا ظلم نہیں چلے گا، اس کے مقابلہ میں انسان جس کو عقل کی نعمت سے نوازا گیا ہے، وہ تو مکلّف ہے، اگر کوئی یہ سمجھے کہ ہم نے دنیا میں کسی کا حق مار لیا اور ہمارا کوئی بال بیکا بھی نہ کر سکا تو وہ یقیناً بہت بڑی بھول میں ہے۔

دوسری اہم اور بنیادی بات یہ ہے کہ ہمیں اللہ کا حق ادا کرنے کی بھی بھرپور کوشش کرنا ہے، تاہم حقوق اللہ کا مسئلہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات بہت غنی اور مستغنی ہے، اس کو بندوں سے کچھ نہیں چاہیے، اگر وہ چاہے تو معاف کر دے، لیکن ان حقوق کی ادائیگی بھی ہم پر لازم ہے، اللہ نے ہمارے ذمہ نماز کی ہے، رمضان کے روزے کیے ہیں، اگر ہم صاحب حیثیت ہیں تو سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ اور عمر میں ایک مرتبہ حج بھی ہمارے ذمہ ہے، عقیدۂ توحید کے بعد دین اسلام کے یہ چار بنیادی فرائض ہیں، ایک حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ

(۱) صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظلم: ٦٧٤٥

اللَّهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ.“(۱)

(اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے؛ یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔)

شہادتین؛ اسلام کا سب سے اہم اور بنیادی ستون ہے یعنی اللہ کے بارے میں یہ یقین کہ وہی سب کچھ کرتا ہے اور اللہ ہی کے اختیار میں سب کچھ ہے، ارشاد ہے:

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (الأعراف: ٥٤)

(سن لو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے حکم چلانا، بڑی برکت والا ہے اللہ جو جہانوں کا پالنہار ہے۔)

موجودہ حالات کو دیکھ کر کوئی اس دھوکہ میں نہ رہے کہ اس وقت دنیا میں جو کچھ فساد برپا ہے گویا اللہ اس سے غافل ہے، یاد رہے کہ سب کچھ اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے، وہ جب چاہے اور جو چاہے کرے، وہ ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ ہے یعنی وہ جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے، آج ہمیں جو کچھ نظر آرہا ہے کہ دنیا کے فلاں خطے میں مسلمان پیٹے جا رہے ہیں یا مارے جا رہے ہیں اور اللہ کے باغی دنیا میں بڑے کروفر کے ساتھ نظر آرہے ہیں، یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے یہاں دنیا کی کوئی قیمت ہی نہیں، اس کے یہاں ان بڑی بڑی طاقتوں کی بھی کوئی حیثیت نہیں اور نہ ہی بڑے سے بڑے اسباب کی اس کی بارگاہ میں کوئی وقعت ہے، حدیث میں ہے:

”لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللَّهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ.“(۲)

(اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی وقعت اگر ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔)

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب دعاؤكم إيمانكم: ٨

(۲) سنن الترمذي، أبواب الزهد، باب ما جاء في هوان الدنيا على الله: ٢٣٢٠

آج اگر اللہ کے باغی بڑے بڑے ہوٹلوں میں ٹھہرتے ہیں اور دنیا میں ان کا دور دورہ ہمیں نظر آتا ہے تو اللہ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ

﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ☆مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ (آل عمران: ۱۹۶-۱۹۷)

(جنھوں نے کفر کیا ملکوں میں ان کا دور دورہ ہرگز آپ کو دھوکہ میں نہ ڈال دے، یہ تھوڑا سا مزہ ہے پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بدترین رہنے کی جگہ ہے۔)

اللہ کی ذات پر کامل درجہ کا یقین بہت ضروری ہے، آج ایک بڑی تعداد ہمارے ایسے نوجوانوں کی ہے جو حالات کو دیکھ کر بہت مایوسی کی باتیں کرتے ہیں، میں ان سے صاف کہتا ہوں کہ تمہارے پاس سب سے بڑی دولت موجود ہے، تم اس کا ایک مرتبہ تجربہ کر کے دیکھو پھر اس کے نتائج تمہاری نگاہوں کے سامنے ہوں گے، افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم اس کے بجائے ایسی لغویات کا تجربہ کرتے ہیں جس سے نہ کچھ ہوا ہے اور نہ قیامت تک کچھ ہوگا اور اللہ کا صاف ارشاد ہے:

﴿لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ مَن يَعْمَلْ سُوءاً يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِن دُونِ اللّهِ وَلِيّاً وَلَا نَصِيراً﴾ (النساء: ۱۲۳)

(نہ تمہاری تمناؤں سے کچھ ہوگا اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے کچھ ہوا ہے جو بھی برائی کرے گا اس کی سزا پائے گا اور وہ اپنے لیے اللہ کے سوا کسی کو حمایتی اور مددگار نہ پا سکے گا۔)

ہمیں یہ بات خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اس وقت مسلمانوں کے ساتھ پوری دنیا میں جو سلوک ہو رہا ہے، وہ ہماری اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ﴾

(الشوریٰ: ۳۰)

(اور تم جس مصیبت سے بھی دوچار ہوتے ہو وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور کتنی چیزیں وہ درگزر کر جاتا ہے۔)

آپ شکایتیں کرتے پھرو، آپ گالیاں دیتے پھرو اور آپ بڑی بڑی طاقتوں کو لعنت کرتے پھرو، یاد رکھو! اس سے نہ کچھ ہوا ہے اور نہ ہوگا بلکہ ہمیں خود اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہم کتنے پانی میں ہیں؟! حدیث میں صاف ارشاد ہے:

"اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللَّهِ."(۱)

(عقل مند آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے اور بے وقوف آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لگا دے پھر اللہ سے امیدیں باندھے۔)

ہم سب جانتے ہیں کہ ایک نہ ایک دن ہمیں مرنا ہے، ہم مسلسل دوسروں کے جنازے پڑھتے ہیں، حضرت شاہ یعقوب مجددیؒ فرماتے تھے کہ جب تم جنازہ کی نماز پڑھتے ہو تو یہ تصور کر لیا کرو کہ گویا وہ تمہارا ہی جنازہ ہے، اس لیے کہ موت ایک حقیقت ہے، آج ہم کسی کا جنازہ پڑھ رہے ہیں اور کل ہمارا جنازہ پڑھا جائے گا، افسوس کی بات ہے کہ آج مرنے کے بعد کی زندگی کی فکر کسی کو نہیں، یاد رکھیں! یہ جوانی ختم ہو جائے گی، یہ اسباب خاک میں مل جائیں گے، یہ دنیا اور پہاڑ ریت کے تودوں اور روئی کے گالوں کی طرح اڑ جائیں گے، پھر اللہ کا حکم ہوگا اور حشر کا میدان قائم ہوگا۔

حاصل یہ کہ اللہ کی ذات پر یقین کامل ایک بنیادی بات ہے، اب سوچنے کی ضرورت ہے کہ اس کی ذات پر یقین کامل رکھنے والے اور اس کی حقیقی بندگی کرنے والے کتنے لوگ ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) سنن الترمذی، أبواب صفة القيامة، باب الكيس من دان نفسه: ۲٦٤٧

"إِنَّ حَقَّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَحَقَّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا."(۱)

(بلاشبہ اللہ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ وہ اس شخص کو عذاب نہ دے جو اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔)

توحید کے بعد نماز دین کا دوسرا بنیادی ستون ہے اور ایمان کی علامت ہے، گویا ایمان وکفر کے درمیان ایک حد فاصل ہے، اگر کوئی آدمی ایک وقت کی نماز چھوڑ دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ."(۲)

(آدمی کے اور شرک وکفر کے درمیان وجہ امتیاز نماز کا عدم اہتمام ہے۔)

اس کے علاوہ بھی حدیثوں میں بڑی سخت باتیں کہی گئی ہیں لیکن اس کے باوجود ہم جائزہ لے سکتے ہیں کہ آج ہمارے کتنے مسلمان بھائی نماز کے پابند ہیں، جب رمضان آتا ہے تو مسجدیں بھر جاتی ہیں، جب کہ نماز تو تادم حیات فرض ہے، آپ یاد رکھیں! جب ہم نے مسجدیں خالی اور ویران کردیں، تب اللہ کا یہ فیصلہ ہوا کہ مسجدیں توڑ دی جائیں، اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو اپنے دشمنوں سے پٹواتا ہے تاکہ ان کے اندر ندامت کا ایک احساس پیدا ہو، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (السجدة: ۲۱)

(اور ہم ضرور ان کو بڑے عذاب سے پہلے قریبی عذاب کا مزہ چکھائیں گے شاید وہ پلٹیں۔)

(۱)صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب اسم الفرس والحمار: ۲۸۵۶

(۲)صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان اطلاق اسم الکفر: ۲۵۷

ہم یہ طے کرلیں کہ انشاء اللہ ہمیں رمضان کی آمد سے قبل ہی اپنی مساجد کو آباد کرنا ہے، اللہ کے حقوق ادا کرنا ہیں اور بندوں کے حقوق بھی ادا کرنا ہیں۔

حقوق اللہ میں سب سے پہلا حق ''نماز'' کا ہے، حدیث میں آتا ہے:

"إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلَاتُهُ."(۱)

(قیامت کے دن بندہ کے اعمال میں سے سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے۔)

ہمارے نوجوان طے کریں کہ ہم ایک ایک نوجوان کو پکڑ کر انشاء اللہ مسجد تک لائیں گے، اگر ایک انسان ہمارے سامنے آگ میں کود رہا ہو تو یقیناً ہم اس کی کمر پکڑ کر اس کو کھینچیں گے نہ کہ اسے دھکا دیں گے، سچی بات یہ ہے کہ ہمارا جو بھائی نمازوں کا اہتمام نہیں کرتا وہ بھی گویا جہنم ہی کے راستہ پر جارہا ہے اور اس کو پکڑنا ہماری ذمہ داری ہے اور یہ صرف ایک ذمہ داری ہی نہیں بلکہ اللہ کے نبی ﷺ کی محبوب سنت بھی ہے، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے اپنی مثال دیتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی:

"إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ النَّاسِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهَذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيهَا فَجَعَلَ يَنْزِعُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ فَيَقْتَحِمْنَ فِيهَا فَأَنَا آخُذُ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَأَنْتُمْ تَقْتَحِمُونَ فِيهَا."(۲)

(میری اور لوگوں کی مثال اس آدمی کی سی ہے جس نے آگ روشن کی پھر جب اس نے اپنے اردگرد کو روشن کر دیا تو پروانے اور وہ کیڑے جو آگ میں گر پڑتے ہیں اس میں گرنے لگے۔ وہ آدمی انہیں آگ سے کھینچ کھینچ کر بچانے لگا مگر وہ اس پر غالب آجاتے اور خود کو اس میں جھونک دیتے

(۱) سنن الترمذی، أبواب الصلاة، باب ما جاء أن أول ما يحاسب: ٤١٥

(۲) صحيح البخاری، كتاب الرقاق، باب الإنتهاء عن المعاصی: ٦٤٨٣

ہیں۔اسی طرح میں بھی تمہیں آگ سے بچانے کے لیے تمہاری کمر پکڑ کر کھینچ رہا ہوں لیکن تم اس میں کودے چلے جارہے ہو۔)

واقعہ یہ ہے کہ آج ہمارے اندر وہ دینی غیرت وحمیت موجود نہیں جس کا مطالبہ تھا، پہلے تو یہ تصور ممکن نہیں تھا کہ رمضان کے مہینے میں لوگ ہوٹلوں پر بیٹھ کر برسر عام کھائیں پئیں، ہمیں ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کی غیرت اور اس کا غضب جوش میں آجائے، اس لیے ہر صاحب ایمان کو رمضان سے قبل ہی طے کرنا چاہیے کہ وہ مکمل روزوں کا اہتمام کرے گا۔

یہ بھی دین اسلام کی خوبی ہے کہ وہ لوگ جو بہت سن رسیدہ ہیں اور خطرہ ہے کہ اگر وہ روزہ رکھیں گے تو ان کا مرض سخت ہوجائے گا، ان کے لیے یہ سہولت ہے کہ وہ فدیہ دے دیں اور فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ (البقرۃ: ۱۸٤)

(اور جن لوگوں کے لیے اس کا بوجھ مشکل ہوجائے ان پر ایک مسکین کا کھانا فدیہ ہے۔)

لیکن وہ لوگ جو نوجوان ہیں اور ان کے اندر روزہ رکھنے کی پوری استطاعت ہے، انھیں روزہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

رمضان نیکیوں کا موسم بہار اور سہالک کا زمانہ ہے، دنیا میں ہر آدمی سہالک کے لیے اپنے آپ کو پہلے سے فارغ کرتا ہے، اس لیے ہر مسلمان کو زیادہ سے زیادہ یہ کوشش بھی کرنی چاہیے کہ وہ اپنے دنیوی معمولات سے ایک بڑی حد تک رمضان میں فارغ ہوکر عبادت کے لیے یکسو ہوجائے، ہمیں طے کرنا چاہیے کہ رمضان میں تہجد کا اہتمام بھی کرنا ہے، کتنی بڑی محرومی کی بات ہے کہ مرد وخواتین سحری کے لیے اٹھ جائیں لیکن عورتیں کھانا پکانے میں لگ جائیں اور آدمی دوسری چیزوں میں مصروف رہے مگر انھیں تہجد کی توفیق نصیب نہ ہو، ہم نے خود دیکھا کہ بعض لوگ رمضان کے مبارک اوقات

میں بلاضرورت موبائل چلا رہے ہیں، میں صاف کہتا ہوں کہ رمضان ان سب چیزوں کے لیے نہیں ہے، آپ رمضان میں تلاوت کیجیے، دعا کیجیے، تہجد کی نماز پڑھیے، تسبیح پڑھیے اور خیر کے کاموں میں حصہ لیجیے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر رمضان میں پوری پوری راتیں اللہ کی عبادت میں گذر جائیں تو بھی اس کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔

رمضان المبارک میں خیر کے کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر ہمیں حصہ لینے کی ضرورت ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ (البقرة: ١٤٨)

(تو تم نیک کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔)

رمضان میں کچھ اوقات دعاؤں کی قبولیت کے لیے بہت خاص ہیں، ان میں سے ایک اہم وقت افطار کے وقت مغرب کی اذان سے قبل ہے، حدیث میں آتا ہے:

"ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: الإِمَامُ الْعَادِلُ وَالصَّائِمُ حَتَّى يُفْطِرَ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ." (١)

(تین لوگوں کی دعا رد نہیں کی جاتی: انصاف پسند امیر کی دعا، روزہ دار کی دعا افطار کے وقت تک اور مظلوم کی دعا۔)

بڑے افسوس کی بات ہے کہ افطار کے وقت ہم دعاؤں کا اہتمام نہیں کرتے بلکہ ہمیں صرف مغرب کی اذان سننے کا گویا انتظار رہتا ہے اور جب اذان ہوجائے تو بعض مرتبہ افطار کی دعا تک بھول جاتے ہیں اور کھانے پینے پر ٹوٹ پڑتے ہیں، رمضان میں دعاؤں کا اہتمام بہت ضروری ہے اور خاص طور پر افطار کے وقت دعا کی بڑی اہمیت ہے۔ کیا ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگنے کی ضرورت نہیں ہے؟ ظاہر ہے ہم میں سے ہر فرد اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔

(١) سنن ابن ماجة، كتاب الصيام، باب فى الصائم لا ترد دعوته: ١٨٢٤

رمضان میں زیادہ سے زیادہ استغفار کا اہتمام کرنا چاہیے، روزمرہ کی زندگی میں نہ جانے ہم سے کتنے گناہ ہوتے ہیں اور ان کی نحوست ہماری زندگی میں بھی ظاہر ہوتی ہے، اس لیے کثرت سے استغفار کی ضرورت ہے جس کے دنیا وآخرت میں بے شمار فوائد ہیں، ارشاد الٰہی ہے:

﴿اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّاراً☆ يُرْسِلِ السَّمَاء عَلَيْكُم مِّدْرَاراً☆ وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِيْنَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَاراً﴾ (نوح: ۱۰-۱۲)

(اپنے رب سے بخشش چاہو یقیناً وہ بڑا بخشش فرمانے والا ہے، وہ تم پر اوپر سے موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا اور تمہارے مال اور بیٹوں میں اضافہ فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات تیار کردے گا اور تمہارے لیے نہریں جاری فرمادے گا۔)

رمضان میں درود شریف کا اہتمام بھی انتہائی مبارک اور مفید عمل ہے اور یہ اللہ کے نبی ﷺ کا ایک حق ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے:

﴿إِنَّ اللّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً﴾ (الأحزاب: ٥٦)

(بے شک اللہ اور اس کے فرشتے رسول پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام پڑھا کرو۔)

رمضان میں کلمہ طیبہ اور دوسرے کلمات کا ورد بھی نہایت بابرکت عمل ہے اور یہ ایسا وظیفہ ہے جو بظاہر زبان سے ادا کرنا بہت آسان ہے اور اللہ کے یہاں اس کی بڑی قیمت ہے، ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى

الرَّحْمَنِ: سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ.“(۱)

(دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے، میزان میں بھاری اور رحمان کو بہت محبوب ہیں: سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ)

سچی بات یہ ہے کہ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو آدمی چلتے پھرتے پڑھ سکتا ہے مثلاً: اگر کوئی آدمی بہت مصروف ہے تو وہ استغفار کے لیے صرف اتنا پڑھ لے:

”رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ.“

(اے میرے پروردگار! میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما۔)

اور درود شریف کے لیے صرف اتنا پڑھ لے:

”صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ.“

(نبی امیؐ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔)

اسی طرح کلمہ طیبہ بھی پڑھ سکتے ہیں جو کوئی مشکل اور لمبا جملہ نہیں ہے:

”لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ.“

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے پیغمبر ہیں۔)

یہ ایسے اوراد و وظائف ہیں کہ ان کے ذریعہ سے انشاء اللہ ہمارا وقت کارآمد بن جائے گا اور رمضان المبارک کا ہمیں بھرپور فائدہ نصیب ہوگا۔

حدیثوں کے اندر رمضان المبارک کو ”شہر المواساۃ“ بھی کہا گیا ہے، رمضان میں ہمارے گھروں میں سحر و افطار کا انتظام ہوتا ہے، کھانے کا اہتمام ہوتا ہے، ہم طے کریں کہ ہم ان چیزوں میں اپنے پڑوسیوں کا بھی خیال رکھیں گے اور ان میں خاص طور سے جو لوگ غریب ہوں، ان کے گھر راشن کی پوری کٹ بنا کر پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ ان چیزوں کا غیر معمولی اجر حاصل ہوتا ہے جس کا تصور بھی کرنا مشکل

(۱) صحيح البخاری، كتاب الدعوات، باب فضل التسبيح: ٦٤٠٦

ہے، ہمیں تو یوں بھی یہ ایک عمومی حکم ہے، حدیث میں آتا ہے:

"أَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُودُوا الْمَرِيضَ وَفُكُّوا الْعَانِيَ."(۱)

(بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی عیادت کرو اور قیدی (گرفتار) کو رہا کراؤ۔)

حدیث میں آتا ہے کہ رمضان کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا عشرہ مغفرت اور تیسرا عشرہ آگ سے خلاصی کا ہے، اس میں یہی حکمت ہے کہ جو اللہ کے نیک بندے ہیں اور وہ پہلے سے تیاری کر لیتے ہیں، ان کے لیے رمضان کا چاند طلوع ہوتے ہی رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے، پھر جب دوسرا عشرہ آتا ہے تو رحمتیں بڑھ جاتی ہیں اور جب تیسرا عشرہ شروع ہوتا ہے تو گویا وہ رحمتوں میں غوطے لگاتے ہیں لیکن بعض لوگ وہ بھی ہوتے ہیں جن کے اندر اہتمام نہیں ہوتا، وہ رمضان شروع ہونے کے بعد محنت شروع کرتے ہیں، اسی لیے دوسرا عشرہ آتے آتے ان پر رحمتیں نازل ہوتی ہیں پھر بعض وہ بھی ہوتے ہیں جو اس سے بھی کم درجہ والے ہیں، ان کو مزید دیر سے احساس پیدا ہوتا ہے تو آخری عشرہ آتے آتے ان کی مغفرت بھی کر دی جاتی ہے، تاہم بعض ایسے بد بخت بھی ہوتے ہیں کہ رمضان ان سے ناراض ہو کر جاتا ہے، یہی وہ لوگ ہیں جن کو آپ ﷺ نے بددعائیں دی ہیں، ارشاد نبویؐ ہے:

"رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُغْفَرَ لَهُ."(۲)

(اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس پر رمضان آیا پھر وہ مہینہ گذر گیا اور اس کے گناہ معاف نہ ہوئے۔)

اگر ہم نے اپنی کوششوں کے ذریعہ حقیقی معنی میں اس رمضان کو پالیا اور اس مہمان کو راضی کر لیا اور اللہ ہم سے خوش ہو گیا تو کیا بعید ہے کہ ہماری تقدیر بدل جائے اور کیا

(۱) صحيح البخاري، كتاب المرضىٰ، باب وجوب عيادة المريض: ٥٦٤٩

(۲) سنن الترمذي، كتاب الدعوات، باب...: ٣٨٩٠

بعید ہے کہ دنیا کا رخ ہی بدل جائے لیکن اس کے لیے ہمیں محنت کی ضرورت ہے۔

تمام اہل ایمان کے لیے سب سے بڑھ کر اللہ کی رضا وخوشنودی ہے، ہمیں اپنا ہر کام اللہ کو راضی کرنے کے لیے کرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ رمضان میں بھی ہماری مجلسیں ایسی ہوں جن میں غیبت وچغلی ہو رہی ہو، رمضان المبارک میں زبان کی حفاظت بھی بڑی اہم چیز ہے، ورنہ بعض مرتبہ روزہ کی روح نکل جاتی ہے، حدیث میں آتا ہے:

"مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ."(۱)

(جو شخص (روزہ کی حالت میں) جھوٹی بات اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو اس بات کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔)

بعض اوقات ہمیں رمضان میں بھی کسی کی برائی کرتے ہوئے احساس نہیں ہوتا اور ہم اس کو گناہ نہیں سمجھتے، جب کہ یہ ایک سنگین گناہ ہے اور ہمیں اس سلسلہ میں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے، حدیث میں ہے:

"إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ."(۲)

(اگر اس میں وہ بات موجود ہو جو تم کہتے ہو تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں وہ بات موجود نہ ہو تو تم نے اس پر بہتان باندھا۔)

انشاء اللہ اگر ہم ان کاموں کا اہتمام کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہوگا۔

رمضان کا آخری عشرہ رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا خاص زمانہ ہے، اس میں شب قدر کی راتوں کا بھی ایک سلسلہ ہے کہ نہ جانے کون سی رات میں وہ مبارک شب آجائے، ان دنوں میں خاص طور پر ضرورت ہے کہ ہر آدمی اپنے آپ کو پوری طرح عبادت میں کھپا دے اور دعا کرے کہ اے اللہ! پوری امت پر اپنا کرم فرمادے، سچی بات یہ ہے کہ آج ہم پر

(۱) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب من لم يدع قول الزور: ۱۹۰۳

(۲) صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الغيبة: ٦٧٥٨

یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اللہ سے رورو کر امت کے حق میں دعائیں مانگیں۔

حاصل یہ کہ ہمیں ایک تیاری رمضان کی آمد سے قبل کرنے کی ضرورت ہے اور وہ ہے حقوق کی ادائیگی، ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ رمضان کا چاند دیکھنے سے پہلے پہلے انشاء اللہ ہمیں اپنا معاملہ صاف کرنا ہے، اسی کے ساتھ حقوق اللہ کی ادائیگی کا بھی اہتمام کرنا ہے تاکہ رمضان جب ہمارے دل ودماغ کو دیکھے تو شہادت دے کہ یہ بندہ اللہ کی بارگاہ میں بہت مقبول ہے اور اس کے اوپر رحمتوں کا نزول ہونا چاہیے۔

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کا اہتمام بھی ضروری ہے، بعض مساجد میں اعتکاف کا اہتمام نہیں ہوتا، اعتکاف سنت مؤکدہ ہے، اس لیے کم از کم ہر مسجد میں ایک آدمی ضرور اعتکاف کرے تاکہ یہ سنت ادا ہو جائے اور تمام لوگ گناہ سے بچ جائیں اور اگر مسجد خالی رہی تو وہ مسجد اللہ کی بارگاہ میں فریاد کرتی ہے اور پورا محلّہ گناہگار ہوتا ہے۔

اعتکاف کے سلسلہ میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ جن مساجد میں کئی لوگ ایک ساتھ اعتکاف میں بیٹھتے ہیں، وہاں احتیاط سے کام لیا جائے، ایسا نہ ہو کہ تمام لوگ اکٹھا ہو کر ہر وقت باتوں ہی میں مشغول رہیں اور مسجد کو گویا چوپال بنالیا جائے، یہ بہت خطرناک بات ہے کہ آدمی رمضان کے آخری عشرہ میں اور اعتکاف کی حالت میں بیٹھ کر کسی کی غیبت کرے یا فضول گوئی میں مبتلا ہو، اس لیے طے کر لیجیے کہ رمضان میں کم سے کم گفتگو کرنا ہے، اپنے اوقات کی حفاظت کرنا ہے اور اپنی زبان کی بھی حفاظت کرنا ہے، اگر آپ نے ان باتوں کی پابندی کر لی تو انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ رمضان کی کیسی غیر معمولی برکتیں اور رحمتیں آپ کو حاصل ہوتی ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کے لیے اس ماہِ مبارک کو سراپا رحمت وبرکت بنادے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

رمضان المبارک کے بعد چند اہم گذارشات

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین خاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین وعلیٰ من تبعھم بإحسان ودعا بدعوتھم إلیٰ یوم الدین أما بعد! أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ﴿یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ ادْخُلُواْ فِیْ السِّلْمِ کَآفَّۃً وَلاَ تَتَّبِعُواْ خُطُوَاتِ الشَّیْطَانِ إِنَّہُ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾ وقال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعاً لِمَا جِئْتُ بِہٖ. أو کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام.

میرے محترم دینی اور ایمانی بھائیو!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ماہِ رمضان میں اپنی بندگی کا، اصلاح وتربیت کا اور دین پر مضبوطی کے ساتھ جمنے کا ہمیں جو کچھ موقع عطا فرمایا، بلاشبہ یہ اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے، اب جب لوگ عید کا چاند دیکھ لیں گے تو وہ شیاطین جو قید ہوئے تھے، چھوڑ دیئے جائیں گے، اس لیے ایک خطرہ کی بات یہ ہے کہ ہم نے اس مہینے میں جو کچھ بھی حاصل کیا جو ہماری جمع پونجی ہے، خدانخواستہ کہیں وہ لٹ نہ جائے اور ضائع نہ ہوجائے، رمضان کے مہینے میں تو الحمدللہ مسجدیں آباد تھیں، لوگوں کو تلاوت میں مزہ

آرہا تھا اور خیر کے کاموں میں سبقت کررہے تھے لیکن اب جب عید کا چاند نظر آجائے گا تو عموماً ایسا ہوتا ہے کہ انتہائی غفلت کا دور شروع ہوجاتا ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید لوگوں کو اسی کا انتظار بھی رہتا ہے، اس لیے کہ رمضان میں تو کچھ پابندیاں ہیں لیکن عید کا چاند طلوع ہونے کے بعد آزادی ہی آزادی ہے، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو بعض خراب چیزوں کے عادی ہوتے ہیں، وہ رمضان میں ان پر کچھ کنٹرول کرتے ہیں لیکن ہلال عید کے منتظر رہتے ہیں اور اس کے بعد وہی عادتیں دوبارہ شروع ہوجاتی ہیں، اسی لیے وہ مسجدیں جو مہینے بھر آباد رہتی ہیں، عید کے بعد ویران ہوجاتی ہیں، یہ عجیب بات ہے کہ جن لوگوں کا دل خیر کی جانب مائل ہوتا ہے، وہ اچانک ایک دوسرے رخ پر چلا جاتا ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے آپ کو مضبوطی کے ساتھ تھامنا ہے، اس وقت برائیوں کا ایک سیل رواں ہے اور اس کے لیے تمام اسباب مہیا ہیں جس میں ایک بڑا حصہ موبائل کا ہے، اس میں ہر طرح کی برائی موجود ہے اور آپ کو اس میں پورا اختیار ہے، کوئی آپ کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں ہے لیکن ہم یہ نہ بھولیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فرشتے متعین ہیں جو ہمارے دائیں اور بائیں جانب موجود ہیں اور ان کا کام یہ ہے کہ وہ ہمارا ایک ایک عمل اور ہماری ایک ایک بات نوٹ کررہے ہیں، ارشاد الٰہی ہے:

﴿مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ (ق: ۱۸)

(جو بات بھی اس کے منہ سے نکلتی ہے تو اس کے پاس ہی ایک مستعد نگراں موجود رہتا ہے۔)

یہ فرشتے اس قدر مستعد ہیں کہ ان کی نگاہ سے ذرہ برابر چیز بھی اوجھل نہیں ہوسکتی، اس لیے ہم یہ نہ بھولیں کہ دنیا میں بظاہر کوئی دوسرا ہمارا ہاتھ پکڑنے والا نہیں

ہے، ہم ہمہ وقت اللہ کے سامنے ہیں اور ہماری نگرانی کی جارہی ہے، ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً﴾ (النساء: ۱)

(یقیناً اللہ تمہارا نگراں ہے۔)

اس وقت اس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ ہم رمضان کے مبارک لمحات ختم ہونے سے پہلے یہ طے کریں کہ ہم نے اپنی زندگی کو جو رخ دیا تھا اور اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی جو کوششیں کی تھیں، اب ہم انشاء اللہ یہ کوشش بھی کریں گے کہ ہماری آئندہ زندگی اسی رخ اور اسی نہج پر قائم رہے۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَى ☆ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى﴾

(النجم: ۳۹-۴۰)

(اور انسان کو وہی ملے گا جس کی اس نے محنت کی اور اس کی محنت جلد ہی رنگ لائے گی۔)

اب اگر ہم یہ کوشش کریں گے کہ ہماری زندگی کا رخ درست رہے، ہم نے رمضان میں جن باتوں سے توبہ کی ہے، ان سے ہم بچیں اور رمضان کے بعد شریعت کی مکمل پابندی کریں تو انشاء اللہ اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہوگا۔

شریعت کی مکمل پابندی کرنے میں دو طرح کے حقوق ہر بندہ پر لازم ہیں:

(۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد۔

حقوق اللہ میں بنیادی طور پر وہ فرائض ہیں جن کا حدیثوں میں تذکرہ ہے یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ نماز روزانہ پانچ مرتبہ پڑھنا ہے، روزہ سال میں ایک مہینہ رکھنا ہے، زکوٰۃ سال میں ایک مرتبہ ہر صاحب حیثیت کو ادا کرنا ہے اور حج عمر میں ایک مرتبہ ہر حیثیت والے پر فرض ہے، تاہم حقوق اللہ میں نماز کا مسئلہ بہت اہم اور بنیادی ہے۔

ہمیں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جس طرح رمضان میں پانچ نمازیں فرض تھیں،

اسی طرح پورے سال یہ نمازیں ہم پر فرض ہیں، ایسا نہیں ہے کہ عید کا چاند طلوع ہوتے ہی ان نمازوں کی اہمیت بھی ختم ہوگئی۔ یاد رکھیں! جس طرح رمضان میں روزوں کی اہمیت تھی، اسی طرح بقیہ دنوں میں نماز کی وہی اہمیت ہے، اس لیے ہم نمازوں کا مکمل اہتمام کریں۔

شریعت میں حقوق العباد کا مسئلہ بہت اہم ہے اور اس سلسلہ میں ہم سے بڑی کوتاہی ہوتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حقوق کو چاہے تو معاف کرسکتا ہے لیکن بندوں کے حقوق اسی وقت معاف ہوں گے جب بندے خود ان کو معاف کردیں، اس لیے یہ بڑا نازک مرحلہ ہے، اگر ہم نے کسی کو ستایا ہے، یا کسی کو تکلیف پہنچائی ہے اور کسی کا حق مارا ہے تو پہلا مرحلہ یہ ہے کہ ہم اس سے معافی مانگیں اور اس کا حق ادا کریں۔

اگر خدانخواستہ ہم نے اب تک کسی کا حق ادا نہیں کیا ہے اور وہ ہمارے ذمہ ہے تو ہم اس حق کو ادا کریں، یا اگر ہم نے وراثت میں اپنی بہن کو حق نہیں دیا جس کی تفصیل قرآن مجید میں موجود ہے تو ہم سب سے پہلے وہ حق ادا کریں، یا کسی اور کا کوئی حق ہمارے ذمہ باقی ہے جیسے مشترک کاروبار کا حق یا آپسی لین دین کا حق، غرض کہ ہم ان سب حقوق کو ادا کریں، یاد رکھیں! اگر آج ہم نے خدانخواستہ کسی کی چیز پر ناحق قبضہ کرلیا، کسی کا حق مارلیا، کسی کے مکان پر قبضہ کرلیا، یا کسی کی زمین ہڑپ کرلی اور ہمیں یہ لگا کہ ہم نے اپنی جائیداد میں کچھ اضافہ کرلیا تو سوچنا چاہیے کہ کل اللہ کی بارگاہ میں ہم کیا جواب دیں گے؟ حدیث میں آتا ہے:

"مَنِ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِنَ الأَرْضِ ظُلْمًا، طَوَّقَهُ اللَّهُ إِيَّاهُ يَومَ القِيَامَةِ مِن سَبْعِ أَرَضِينَ." (۱)

(اگر کوئی ایک بالشت زمین بھی کسی کی ناحق ہڑپ کرتا ہے تو کل قیامت کے دن وہ زمین سات طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالی جائے گی۔)

(۱) صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب تحريم الظلم: ٤٢١٧

سوچنے کی ضرورت ہے کہ حق مارنے والا انسان اللہ کے یہاں کیا جواب دے گا؟ ظاہر ہے وہ جو کچھ دنیا سے کر کے جائے گا، آخرت میں اس کا حساب اس کو دینا ہوگا۔ اگر خدانخواستہ ہماری صورت حال اب تک ایسی ہی ہے تو یہ ایمان کے تقاضوں کے بالکل خلاف اور منافی ہے، رمضان ختم ہونے سے پہلے ہم ان کاموں سے توبہ کریں، ہم ہر ایک سے صلح صفائی کریں اور اس کا حق ادا کریں۔

اس میں شبہ نہیں کہ بعض مرتبہ ایسی صورت بھی بن جاتی ہے کہ ہم نے کسی کو ستایا اور پریشان کیا یا یہ کہ اس کی غیبت کی اور اس کو پیٹھ پیچھے برا بھلا کہا، ایسی صورت میں خطرہ ہوتا ہے کہ اگر اس سے جا کر معافی مانگی جائے تو بات بگڑ جائے گی، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اس کے حق میں دعا کریں، امید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ یہ گناہ معاف فرمادے گا لیکن یاد رہے کہ اگر ہم نے کسی کو تکلیف پہنچائی ہے یا کسی کا حق مارا ہے تو معافی مانگنا ضروری ہے۔

حاصل یہ کہ حقوق العباد میں ہم سے جو کوتاہیاں ہوئی ہوں، ان کا جائزہ لیں، ان سے توبہ کریں اور ان کو ادا کرنے کی فکر اور کوشش کریں، اسی طرح اگر کسی سے ہمارا جھگڑا ہے، کسی سے ہمارا دل صاف نہیں ہے، اس میں نفس کے بہت سے تقاضے داخل ہوتے ہیں اور عام طور پر یہ جھگڑے جائیداد کے ہوتے ہیں، بعض علاقوں میں ہر گھر کا ایک نمائندہ روزانہ کچہری میں نظر آئے گا، اس لیے کہ ہر آدمی دوسرے کی زمین ہڑپ کرنے کے چکر میں ہے، یا اس چکر میں ہے کہ جو ہڑپ کر چکے ہیں وہ کسی طرح ہمارے ہی پاس باقی رہے اور کوئی دوسرا اس کو نہ لے سکے، ظاہر ہے یہ بڑی خطرناک بات ہے، اگر ان بنیادوں پر ہمارے درمیان جھگڑے ہوں تو انھیں بھی ختم کریں، معافی مانگیں اور معافی مانگنے کا اجر دھیان میں رکھیں، حدیث میں آتا ہے کہ

"مَا زَادَ اللَّهُ رجلًا بعفوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ."(۱)

(۱) سنن الترمذی، أبواب البر والصلة، باب ما جاء فی التواضع: ۲۱۶۱

(جب بندہ کسی سے معافی مانگتا ہے تو اللہ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور جو کوئی اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ اسے بلند فرما دیتا ہے۔)

حقوق العباد میں یہ سب نزاکتیں بھی جاننے کی ضرورت ہے کہ والدین کا حق کیا ہے؟ بھائی بہن کا حق کیا ہے؟ شوہر و بیوی کا حق کیا ہے اور پڑوسی کا حق کیا ہے؟

اس وقت ہمارے بعض نوجوانوں کی حالت یہ ہے کہ وہ ماں باپ کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتے، انھیں گھومنے پھرنے اور اپنے دوستوں ہی سے فرصت نہیں، ماں بے چاری کمزور و بیمار اور باپ بے چارہ بوڑھا وضعیف لیکن اولاد کو ان کی خدمت کرنے کی فکر نہیں ہوتی، باپ کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ

"اَلْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَإِنْ شِئْتَ فَحَافِظْ عَلَى الْبَابِ أَوْ ضَيِّعْ."(۱)

(والد جنت کا بہترین دروازہ ہے، اگر تم چاہو تو دروازے کی حفاظت کرلو اور چاہو تو ضائع کردو۔)

ماں کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"اَلْجَنَّةُ عِنْدَ رِجْلِهَا."(۲) (جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔)

پھر ماں باپ کی خدمت کے متعلق یہ ارشاد نبوی ﷺ بھی ہے کہ

"رَغِمَ أَنْفُهُ قِيْلَ: مَنْ يَا رَسولَ اللّٰهِ! قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الجَنَّةَ."(۳)

(اس کی ناک خاک آلود ہو (یعنی وہ ذلیل ہو) عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون ہے؟ فرمایا: وہ شخص جس نے اپنے والدین میں سے ایک یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا، پھر بھی جنت میں داخل نہ ہوسکا۔)

---

(۱) الترمذی، أبواب البر والصلة، باب ما جاء من الفضل فی رضا الوالدین: ۲۰۲۲

(۲) مسند أحمد: ۱۵۱۳۷

(۳) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب رغم أنف: ٦٦٧٥

اس سے پتہ چلا کہ والدین کی خدمت میں آخرت کی کامیابی ہے۔

اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق کا بھی خاص لحاظ رکھا گیا ہے، حدیث میں ہے:

"مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ."(۱)

(حضرت جبریلؑ مجھے پڑوسی کے بارے میں بار بار نصیحت کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ شاید وہ اسے وارث ہی قرار دے دیں گے۔)

پڑوسی کا حق ادا کرنے کے متعلق یہاں تک کہہ دیا گیا کہ

"لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ."(۲)

(وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جس کے جھگڑوں بکھیڑوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔)

پڑوس کے یہ جھگڑے بکھیڑے بعض مرتبہ بہت چھوٹی اور معمولی باتوں پر ہو جاتے ہیں مثلاً: کسی پڑوسی نے کوئی برتن مانگ لیا تو اس پر لڑائی، کسی پڑوسی نے ماچس یا لائٹر یا گیس مانگ لیا تو اس پر جھگڑا شروع ہوجاتا ہے، یاد رکھیں! یہ چیزیں بھی معمولی نہیں ہیں بلکہ اسلام میں ان کی بھی اہمیت ہے اور ان سے روکنے والوں کے لیے تباہی و بربادی کا اعلان ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ☆ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ☆ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاؤُوْنَ ☆ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ﴾ (الماعون: ٤-٧)

(تو ایسے نماز پڑھنے والوں کے لیے بربادی ہے جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں جو دکھاوا کرتے ہیں اور معمولی چیز دینے میں بھی رکاوٹ ڈالتے ہیں۔)

آیت میں ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے ہلاکت ہو جو چھوٹی موٹی چیزوں کو بھی نہیں دینا چاہتے، سوچنے کی بات ہے کہ اگر کوئی اس میں بھی بخل سے کام لیتا ہے تو وہ

(۱) سنن الترمذی، أبواب البر والصلة، باب ما جاء فی حق الجوار: ۲۰٦۸

(۲) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان تحريم إيذاء الجار: ۱۸۱

کل قیامت کے دن کیا کرے گا جب اس کو ایک ایک پائی کی ضرورت ہوگی۔

جو لوگ خدمت کرنے والے اور غریبوں کے کام آنے والے ہیں، ان کو اپنے اندر خاص طور سے نرم مزاجی پیدا کرنے کی ضرورت ہے مثلاً: کسی غریب نے آپ سے قرض لیا کہ ایک مہینے میں ادا کر دیں گے لیکن اس کے حالات خراب ہیں اور وہ ادائیگی پر قدرت نہیں رکھتا تو آپ کو سہولت اور نرمی سے کام لینا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ آپ اس کے سر پر مسلط ہو جائیں جب کہ آپ کے پاس لاکھوں روپئے ہیں اور آپ کو ابھی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں ہے، سچی بات یہ ہے کہ شریعت میں یہ چیز پسندیدہ نہیں ہے بلکہ حدیث میں تو یہاں تک آتا ہے کہ جب آپ ﷺ کسی مجبور کو دیکھتے تو فرماتے:

"تَجَاوَزُوا عَنْهُ لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا." (۱)

(اس سے درگذر کرو، شاید کہ اللہ بھی ہم سے (آخرت میں) درگزر فرمائے۔)

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

"مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِراً أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَظَلَّهُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ." (۲)

(جس آدمی نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اس کو معاف کر دیا تو (قیامت کے دن) اللہ اس کو اپنے سایہ تلے جگہ عطا فرمائیں گے۔)

دین وشریعت کے یہ وہ رہنما اصول ہیں کہ اگر ہم ان کا خیال رکھیں تو ہماری زندگی کا رخ بدل جائے گا اور سماج کا رخ بھی تبدیل ہوگا، اس وقت سماج کی جو خرابیاں ہیں، وہ اسی لیے ہیں کہ ہم نے دین کو چھوڑ دیا ہے اور ہم دین پر عمل نہیں کرتے، قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا صاف ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ

(۱) صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب من أنظر معسراً: ۲۰۷۸

(۲) صحيح مسلم، كتاب الزهد والرقائق، باب حديث جابر: ۷۷۰٤

الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ (البقرة: ۲۰۸)

(اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔)

اسلام میں مکمل داخل ہونے کے لیے بنیادی طور پر ضروری ہے کہ ہمارا عقیدہ درست ہو، ایک اللہ پر یقین ہو اور اسی کی حاکمیت مطلقہ تسلیم ہو، ارشاد الٰہی ہے:

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (الأعراف: ٥٤)

(سن لو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے حکم چلانا، بڑی برکت والا ہے اللہ جو جہانوں کا پالنہار ہے۔)

یہ دنیا شاہ جہاں کے تاج محل کی طرح نہیں ہے کہ اس کے بعد جس کا جو جی چاہے وہ کرے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دنیا بنائی ہے اور وہ اس دنیا کا مالک بھی ہے اور وہی اس کا نظام چلانے والا ہے، کوئی یہ نہ سوچے کہ جس طرح دنیا میں بادشاہ وزارتیں تقسیم کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ تنہا پورا نظام نہیں چلا سکتے، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کو بھی نعوذ باللہ وزراء کی ضرورت ہے، یاد رہے! اس کی قدرت کو کسی مدد کی ضرورت نہیں، اس کے یہاں وزارتوں کی تقسیم نہیں ہوتی کہ فلاں اولاد دے گا، فلاں روزی دے گا اور فلاں پانی برسائے گا، جیسا کہ ہمارے برادران وطن نہیں جانتے، انھوں نے اللہ کے مختلف ناموں کو یہ سمجھا کہ یہ سب اللہ کی الگ الگ شخصیتیں ہیں، ان کے مطابق رحمٰن وہ خدا ہے جو رحم کرنے والا ہو، رزاق وہ خدا ہے جو روزی دینے والا ہو، وہ یہ نہیں جانتے کہ جو رحمٰن ہے وہی رزاق ہے، وہی وھاب ہے، وہی منتقم ہے اور وہی سب کاموں کا بنانے والا ہے۔

یہ عقیدہ بالکل غلط ہے کہ اس نے اپنے اختیار دوسروں کو بھی دے دیئے ہیں، جیسا کہ بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر خواجہ صاحب کی قبر پر جاؤ تو اولاد ہو جائے

گی، اس لیے کہ اللہ نے ان کو اختیار دیا ہے، اگر کسی کا یہ تصور ہے تو یہ کھلا شرک ہے، یاد رہے! اللہ سب معاف کر دے گا لیکن شرک کو معاف نہیں کرے گا، قرآن میں ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ﴾

(النساء: ٤٨)

(بے شک اللہ اس کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔)

حقیقت میں شرک انتہائی مذموم، غلیظ اور گندی چیز ہے، اگر شرک کا تصور ہو تو آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، حدیث میں آتا ہے کہ

"يَكْرَهُ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ." (١)

(آدمی اس بات کو ناپسند کرے کہ وہ دوبارہ کفر کی طرف لوٹے جب کہ اللہ نے اسے کفر سے نجات دے دی، جس طرح وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ آگ میں ڈال دیا جائے۔)

رمضان کے بعد کی زندگی میں بھی فرائض کا اہتمام ضروری ہے، جیسا کہ یہ بات عرض کی گئی کہ نماز صرف رمضان ہی میں فرض نہیں بلکہ تا دم حیات فرض ہے اور اللہ نے یہ رمضان اس لیے دیا ہے کہ ہماری زندگی تقویٰ والی ہو جائے۔

تقویٰ کی زندگی حاصل ہونا آسان ہے لیکن اس کو باقی رکھنا مشکل کام ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر آپ کو ایک بڑی رقم کہیں سے مل گئی تو اس کی حفاظت آپ کے لیے مشکل ہے، ممکن ہے کہ چور اور ڈاکو آپ کے آس پاس ہوں اور آپ کے پاس حفاظت کا کوئی سامان نہ ہو، ظاہر ہے ایسی صورت میں آپ کی راتوں کی نیند اڑ جائے گی۔

(١) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان خصال من اتصف بهن....: ١٧٤

اسی طرح اس رمضان میں ہمیں جو یہ پونجی حاصل ہوئی ہے، اس کا خطرہ ہے کہ کوئی شیطان اس کو اچک نہ لے اور یہ پونجی لٹ نہ جائے، اس لیے تحفظ اور نگہداشت کی سخت ضرورت ہے، اگر ہم رمضان کے بعد بھی ذکر کی پابندی کریں گے تو انشاء اللہ اس سے ہمیں فائدہ پہنچے گا اور اپنی حفاظت کرنے میں مدد ملے گی۔

گناہوں سے حفاظت کا ایک بہتر طریقہ آدمی کا ذاتی محاسبہ ہے، حدیث میں ہے:

"اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللَّهِ."(۱)

(عقل مند آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے اور بے وقوف آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لگا دے پھر اللہ سے امیدیں باندھے۔)

ہمیں ہر روز اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم نے کیا صحیح کام کیے اور کیا غلط کام کیے، ہم نے کتنے کام اللہ کو خوش کرنے کے لیے کیے اور کتنے کام اللہ کو ناراض کرنے والے کیے، اگر ہم اس طرح اپنا جائزہ لیتے رہیں گے تو اس کا غیر معمولی نفع ہوگا۔

اس کے علاوہ خیر کے کاموں میں حصہ لینا، لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا برتاؤ کرنا، اپنے بھائیوں کے ساتھ اور اپنے برادران وطن کے ساتھ ہمدردی کرنا' ہمارے دین کا حصہ ہے اور ہمیں یہ حکم ہے کہ انسانی بنیادوں پر ہر ایک کی ضرورت کا خیال رکھا جائے، حدیث میں ہے کہ

"اَللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ."(۲)

(اللہ اپنے بندہ کی اس وقت تک مدد کرتا رہتا ہے جب بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔)

---

(۱) سنن الترمذی، أبواب صفة القيامة، باب الكيس من دان نفسه: ۲٦٤٧

(۲) صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة، باب فضل الإجتماع...: ۷۰۲۸

حاصل یہ کہ ہمیں اپنے اخلاق کو بہتر سے بہتر بنانا ہے، اگر ہم سفر میں ہیں اور ہمارے برابر میں کوئی ضعیف و بوڑھا آدمی بھی بیٹھا ہے تو اس کے کام آنے کی کوشش کریں، یہ وہ کام ہیں جو اللہ کو راضی کرنے والے ہیں اور ان سے اسلام کی صحیح تصویر بھی دنیا کے سامنے جاتی ہے لیکن افسوس ہے کہ ہم نے اپنی بداخلاقیوں سے اسلام کا چہرہ داغ دار کر دیا ہے۔ اس بات پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ ہم نے اسلام کا جو چہرہ داغ دار کیا ہے، وہ ہمارے ہی طرز زندگی سے صاف ستھرا ہو جائے۔

مکمل دین اسلام میں داخل ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنی نئی نسل کے لیے بہتر تعلیم و تربیت کا نظم کریں، آج ہمارا حال یہ ہے کہ بچیوں کو کالج اور ہاسٹل میں ڈال دیا یا ان کو دوسرے شہروں میں تعلیم کے لیے بھیج دیا، صرف اس لالچ میں کہ ان کو ڈگری ملے گی پھر ان کی تنخواہ سے ہماری زندگی آسان ہو جائے گی۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا ہم میں سے کوئی یہ ہمت کر سکتا ہے کہ وہ اپنی بچی کو لے جا کر آگ میں ڈال دے؟ ظاہر ہے کوئی یہ ہمت نہیں کر سکتا۔ یاد رکھئے! آج ہم لالچ میں آکر ان کی تعلیم کے لیے جو طریقہ اختیار کر رہے ہیں، وہ گویا اسی حد تک پہنچا دینا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ ہماری بچیاں شرک میں مبتلا ہوتی ہیں، وہ غیروں کے ساتھ چلی جاتی ہیں اور ان کے ایمان کا سودا ہو جاتا ہے۔

بچوں اور بچیوں کی دینی تعلیم و تربیت کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے، اگر ہم نے انھیں کسی اسکول میں عصری تعلیم کے لیے بھیجا ہے تو اس سلسلہ میں کچھ تنازل اختیار کرنے کی ضرورت ہے لیکن ایمان کے سلسلہ میں تنازل اختیار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، ایمان کا مسئلہ سب سے بڑھ کر اہمیت کا حامل ہے، اسی لیے اگر آپ انھیں بھیج رہے ہیں تو کوشش کریں کہ اسلامک اسکولوں میں بھیجیں اور اگر ایسے اسکول نہ ہوں تو کوشش کریں کہ روزانہ الگ سے کم از کم ایک سے ڈیڑھ گھنٹہ ان کی دینی تعلیم کا بندوبست ہو۔

آج ہمارے مسلمان بھائی بڑی آسانی سے اپنی بچیوں کو دوسرے شہروں میں بھیج دیتے ہیں اور ہاسٹل میں ڈال دیتے ہیں، ظاہر ہے وہاں ان کے ایمان اور عزت کی کوئی ضمانت نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اندر سے غیرت وحمیت بالکل نکل چکی ہے۔

آپ طے کر لیجیے کہ اگر ہمارے محلّہ میں بھی اس طرح کا کوئی واقعہ پیش آئے گا تو ہم اس کی فکر کریں گے، خدانخواستہ اس کا ایمان نہ چلا جائے۔ حقیقت میں اس وقت ہمارے سامنے یہ سب بڑے خطرات ہیں، عجیب بات ہے کہ یہ دنیا وسائل کے ساتھ بہت تیزی سے آگے جارہی ہے اور ہمارے پاس وسائل نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود ہم غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔

آپ یہاں سے رمضان کا یہ پیغام لے کر جایئے کہ انشاء اللہ ہمیں اپنے رمضان کی حفاظت کرنی ہے، شریعت پر پوری طرح عمل کرنا ہے، اپنے محلّہ والوں کی فکر کرنی ہے، اپنے شہر والوں کی فکر کرنی ہے اور جہاں ایمان کا سودا ہو رہا ہو، وہاں کسی نہ کسی صورت میں ایمان بچانے کی تدبیریں اختیار کرنی ہیں، تعلیم کے ایسے مراکز اور سنٹرز بنانے ہیں جہاں نسل نو کو دینی تعلیم دی جائے اور ان کے ایمان کی حفاظت کا انتظام ہو۔

میں نے خطبہ میں آپ کے سامنے یہ حدیث پڑھی تھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعاً لِمَا جِئْتُ بِهِ." (١)

(تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہشات کو اس چیز کے تابع نہ کرلے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔)

اس حدیث کی روشنی میں صرف ایک بات میں عرض کرتا ہوں اور وہ یہ کہ آج جس طرح ہم نے شادی بیاہ کو مصیبت بنا دیا ہے، اس کی وجہ ہماری یہی خواہشات ہیں جن کو ہم پورا کرتے ہیں، ہم بڑے سے بڑے گھر میں شادی کریں گے اور اس میں لاکھوں

(١) جامع العلوم والحكم، الحديث الحادي والأربعون

روپئے خرچ کریں گے، بعض مرتبہ تو کروڑوں روپئے خرچ کریں گے، جب کہ ہمارے ہی پڑوس میں ایسے مجبور و پریشان حال لوگ بھی موجود ہیں جن کی بچیاں کنواری بیٹھی ہیں اور ان کے پاس رخصتی کا کوئی بندوبست نہیں اور ان کا ایمان بھی خطرہ میں ہے لیکن ہماری جیب سے ان بچیوں کی شادیوں کے لیے چند روپئے بھی نہیں نکلتے۔

یاد رکھئے! اللہ کے یہاں اس بات پر پکڑ ہوگی، آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے ایک حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کردی اور فارغ ہوگئے، یہ تو ایک فریضہ تھا جو آپ نے ادا کردیا لیکن بہت سے واجبات بھی ہیں جن کا ادا کرنا ضروری ہے، اگر کسی کا ایمان خطرہ میں ہے اور آپ کے ذریعہ سے ایمان بچ سکتا ہے اور آپ نے اس کو بچانے کی کوشش نہیں کی تو کل اللہ کے یہاں آپ کی گرفت ہوگی، اس لیے شادیوں میں سادگی ضرور اختیار کیجیے۔

اس وقت ماں باپ کا عجیب حال ہے کہ وہ اپنے بچوں کی شادیوں میں جلدی نہیں کرتے، یہاں تک کہ وہ بچے برائیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں، اسی طرح بچیاں گھروں میں بے نکاح بیٹھی ہیں کیونکہ لڑکے والے جہیز کے مطالبے کرتے ہیں، گویا وہ بھیک مانگتے ہیں اور انھیں شرم نہیں آتی، سوچنا چاہیے کہ کیا وہ دوسروں سے بھیک مانگ مانگ کر ہی کھائیں گے؟ اللہ نے ان کو سب کچھ دیا ہے لیکن انھیں مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی اور وہ مطالبات پر مطالبات کرتے ہیں، یاد رکھیں! اس طرح مانگ مانگ کر جہیز لینا حرام ہے، اس کے ذریعہ زندگی گذارنا حرام ہے بلکہ میں اور آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ اس کے نتیجہ میں نسلیں بھی حرام ہی پیدا ہوں گی پھر کہاں سے اس کے یہاں برکت ورحمت کا نزول ہوگا، اس لیے کہ جہیز دینے والا مجبور ہوکر دے رہا ہے اور وہ دینے پر قدرت نہیں رکھتا، یہاں تک کہ وہ سودی قرض لینے پر مجبور ہے۔

آپ یہاں سے طے کرکے جایئے کہ ہمیں اپنی شادیاں سادی کرنی ہیں، انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ اس کی برکت کیسی غیر معمولی ہوتی ہے، حدیث میں آتا ہے:

"أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مَؤُونَةً."(١)

(سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو۔)

ہمیں کسی کو راضی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ فلاں بھی خوش ہو جائے اور فلاں بھی، اگر اللہ خوش نہ ہو اور اللہ کے رسول ہمارے طرز عمل سے راضی نہ ہوں اور اس کے مقابلہ میں ساری دنیا خوش ہو جائے تو سوائے ہلاکت کے اور کیا ہوگا؟!

اگر ہم نے شریعت کی ان باتوں میں پابندی کر لی تو آپ یہ سمجھیں کہ یہ پورے رمضان کا گویا ایک تحفہ ہے اور اس سے پوری زندگی ہمیں فائدہ ہوگا، بس اس کی حفاظت ہمارا کام ہے، انشاء اللہ ہم اس کو باقی رکھیں گے اور رمضان کے بعد ایک نئی زندگی گذارنے کا عزم کریں گے، یہاں تک کہ لوگ دیکھ کر یہ فرق محسوس کریں اور کہیں کہ ماشاء اللہ اب ان کے اندر ایک نیا حوصلہ اور ایک نیا ایمان نظر آتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے، ہماری اصلاح فرمائے، ہماری زندگی کو بہتر بنائے اور اپنی رضا کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

(١)مسند أحمد: ٢٥٢٦٤

رمضان المبارک اور قرآن مجید

رمضان کی عظمت وتقدس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اسی مہینہ میں قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتارا گیا اور ساری انسانیت کے لیے ہدایت ورحمت کا سامان کیا گیا، کلام اللہ کو اس مبارک مہینہ سے بڑی مناسبت ہے اور بندوں کے لیے کلام اللہ سے مناسبت اور تعلق پیدا کرنے کا یہ سب سے بہتر اور مناسب موقع ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىَ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ﴾ (البقرة: ۱۸۵)

(رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں راہ یابی اور (حق وباطل میں) امتیاز کی کھلی نشانیاں ہیں۔)

اللہ کے رسول ﷺ ہر رمضان میں قرآن مجید کا دور حضرت جبرئیلؑ سے فرماتے تھے، یہ اس کا فیضان ہے کہ لاکھوں حفاظ رمضان کے مبارک موقع پر تراویح میں قرآن مجید سناتے ہیں اور عام مسلمان بھی اس مہینے میں تلاوت کا خاص اہتمام کرتے ہیں، اللہ کے وہ بندے بہت ہی محروم ہیں جو اس مہینے میں قرآن مجید کی تلاوت سے محروم رہیں جس میں ایک نیکی کا اجر ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے اور ایک ایک حرف کے بدلے سات سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور آخری کتابِ الٰہی ہے جس کو دنیا میں آخری پیغمبر

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اتارا گیا تا کہ وہ قیامت تک کے لیے انسانوں کی رہنمائی کرے، اسی لیے اس کو ﴿هُدًى لِلنَّاسِ﴾ کہا گیا کہ تمام انسانوں کے لیے اس میں ہدایت و رہنمائی ہے لیکن دوسری جگہ یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ اس سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو متقی ہوتے ہیں، ارشاد الٰہی ہے:

﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ (البقرة: ٢)

(یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شبہ ہی نہیں، متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔)

قرآن مجید متقیوں کے لیے ہدایت نامہ ہے اور رمضان المبارک کا مہینہ تقویٰ کا مزاج بنانے کا ایک بڑا ذریعہ ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرة: ١٨٣)

(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کیے گئے جو تم سے پہلے ہوئے ہیں، عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔)

واقعہ یہ ہے کہ روزہ تقویٰ کی شان پیدا کرتا ہے اور قرآن مجید سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور رہنمائی حاصل کرتے ہیں جو متقی ہوتے ہیں، گویا رمضان اور قرآن کے درمیان تقویٰ ایک مشترک بنیاد ہے، جو بندہ اپنے آپ کو اس سے وابستہ کرلے گا وہ کبھی بے راہ نہیں ہوگا، یہی وہ حبل اللہ ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (آل عمران: ١٠٣)

(اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور منتشر نہ ہو۔)

اس مبارک مہینہ میں اللہ کے مبارک کلام سے تعلق و مناسبت پیدا کرنے کے لیے بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے مثلاً: اس کی تلاوت کا اہتمام، تجوید سیکھنے اور تصحیح کرنے کا اہتمام، دروس کا اہتمام اور اس کی تعلیمات کا اہتمام وغیرہ۔

اس میں شبہ نہیں کہ تلاوت قرآن، تصحیح اور دروس کا اہتمام کسی درجہ مسلمانوں میں

پایا جاتا ہے، تاہم اس میں بہت کچھ اضافہ کی ضرورت ہے لیکن اس کی تعلیمات پر عمل کا اہتمام بہت ہی کم ہوتا ہے اور اس کو قرآن مجید سے مناسبت وتعلق پیدا کرنے کا عام طور پر ذریعہ بھی نہیں سمجھا جاتا۔

اس مبارک مہینہ میں خاص طور پر اس بات کی ضرورت ہے کہ قرآن مجید کے احکامات پر عمل کر کے اس سے مناسبت پیدا کی جائے اور تقویٰ کا مزاج بنایا جائے، اس مہینہ میں یہ کام جتنا آسان اور دیرپا ہوتا ہے وہ کسی دوسرے زمانہ میں نہیں ہوسکتا۔ اس مہینے کو قرآن مجید سے ایک خاص مناسبت ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اس ماہِ مبارک میں قرآن کے حقوق کو جانے اور زیادہ سے زیادہ ان کو ادا کرنے کی کوشش کرے۔

قرآن مجید کا پہلا حق ''ایمان'' ہے یعنی آدمی اس پر ایمان لائے اور اس بات کا یقین ہو کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے اور نجات کا ذریعہ ہے، قرآن پر تفصیلی ایمان یہ ہے کہ اس کے ایک ایک حرف اور ایک ایک نکتے کے بارے میں یہ یقین ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے، ایسا نہیں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر کتاب اتاری اور آپ نے اپنے الفاظ میں بیان فرمادیا، یہی فرق ہے قرآن وحدیث میں، قرآن مجید اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس طرح اور جن الفاظ کے ساتھ اتارا، آپ ﷺ نے انھی الفاظ کے ساتھ امت تک منتقل فرمایا۔

قرآن مجید کا دوسرا حق ''عظمت'' ہے یعنی ہر صاحب ایمان کے دل میں اس کی عظمت ہو، یہی وہ تنہا کتاب ہے جس کے الفاظ ومعانی کی حفاظت اللہ کے ذمہ ہے اور اس کو ماننے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کی حفاظت بھی اسی کی ذمہ داری ہے، اس کے علاوہ دنیا میں جتنی بھی کتابیں ہیں، وہ مٹ گئیں یا ان میں ایسا انحراف ہوگیا کہ ان کو اصل نہیں کہا جاسکتا، لیکن قرآن مجید کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے جو ہمیشہ سے ہے اور رہے گا۔

قرآن مجید کا تیسرا حق ''تلاوت'' ہے یعنی تجوید کی رعایت کے ساتھ تلاوت کرنا

ضروری ہے، گویا جس طرح آپ ﷺ نے قرآن مجید کی تلاوت کی اور ہمارے علماء نے اس کو محفوظ کیا اور اس کے طریقے بتائے، ان کو سیکھنا ضروری ہے تاکہ تجوید کے ساتھ تلاوت کی جاسکے اور اس کا حسن باقی رہے۔

قرآن مجید کا چوتھا حق ''حفظ'' یعنی اس کو زبانی یاد کرنے کا ہے، اس لیے کہ نماز جو دین اسلام کا بنیادی رکن ہے، اس کی تکمیل بغیر تلاوت قرآن کے ممکن نہیں اور نماز میں تلاوت قرآن بغیر حفظ کے ممکن نہیں، اس لیے ہم میں سے ہر فرد کو کم از کم چند سورتیں ہر حال میں یاد ہونا چاہیے تاکہ اس کی نماز سنت طریقہ کے مطابق ادا ہو سکے، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ بڑی حق تلفی ہوگی، ایک طرف قرآن مجید کی حق تلفی، دوسری طرف نماز کی حق تلفی اور اسی کے ساتھ ایمان کی حق تلفی بھی۔ حفظ قرآن کے اس لازمی جز کے علاوہ معاشرہ میں کچھ ایسے افراد کا تیار ہونا اور اس امر کی طرف توجہ دلانا بھی نہایت ضروری ہے تاکہ ہمارے بچوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہو جن کے سینے مکمل حفظ قرآن سے معمور ہوں، حفاظت قرآن کا یہ ایک بہت بڑا ذریعہ ہے، اس نعمت کے سینے میں محفوظ ہونے سے حافظ قرآن کی حفاظت بھی اللہ رب العزت کے ذمہ ہو جاتی ہے اور اس کے والدین و خاندان والوں کے لیے بھی یہ شرف و امتیاز کی بات بن جاتی ہے جو دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگری کے حصول کے بعد بھی ممکن نہیں۔

قرآن مجید کا پانچواں حق ''فہم'' یعنی اس کے مطالبات اور تقاضوں کو سمجھنا ہے، ظاہر ہے جب تک آدمی اپنے اندر قرآن مجید کا فہم پیدا نہیں کرے گا اور قرآن مجید کو نہیں سمجھے گا، اس وقت تک ہدایت کے راستے کو اختیار نہیں کر سکتا۔ فہم قرآن کے سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے امت کے سامنے جس طرح اس کی تفہیم و تشریح کی اور صحابہؓ نے اس کو جس طرح سمجھا پھر اسلاف امت نے اس کو جیسا بیان کیا' وہی معتبر ہے، اگر کوئی شخص اس سے ہٹ کر اپنی طرف سے کوئی نئی بات پیش کرتا ہے تو وہ گمراہی ہے لیکن یہ شرط عقائد اور دین و شریعت کے احکام میں

ہے، تاہم وہ آیتیں جن میں ہمیں غور وفکر کا حکم دیا گیا کہ ہم انفس وآفاق میں غور وفکر کریں تا کہ اس کے ذریعہ سے اللہ کی معرفت حاصل ہو، اللہ کی قدرت کی نشانیوں کا ادراک ہو اور آدمی اللہ تک اور اس کی قدرت تک پہنچے اور اس کی خلاقیت کا پوری طرح سے اس کو یقین پیدا ہو تو اس کی ہمیں اجازت ہی نہیں بلکہ حکم ہے۔

قرآن مجید کا چھٹا حق ''عمل'' ہے یعنی اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کی جائے، یہی اصل ہدایت ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اس کے سانچے میں ڈھالے، قرآن مجید جو کہتا ہے، جیسی زندگی چاہتا ہے، جیسے عقائد چاہتا ہے، جیسی اخلاق کی بلندی چاہتا ہے، جیسے اعمال کی پابندی چاہتا ہے، اس کے مطابق ہم اپنے آپ کو ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے، وہ چاہتا ہے کہ انسان کو قرآن کے سانچے میں ڈھالا جائے اور یہ چیز ہمیں اللہ کے نبی ﷺ کی زندگی سے پوری طرح معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے ہم بھی اس بات کے مکلّف ہیں کہ اپنے آپ کو قرآنی سانچے میں ڈھالیں، قرآن سے نسبت پیدا کریں، اس سے ایسا تعلق پیدا ہو کہ ہماری زندگی قرآن کا عکس نظر آئے، یہ بھی قرآن مجید کا بنیادی حق ہے، اسی لیے یہ کتاب اتری کہ یہ کتاب ہدایت ہے۔

قرآن مجید کا ساتواں حق ''تبلیغ'' ہے یعنی ہم دنیا میں اس کے پیغام کو عام کریں اور پھیلائیں، لوگوں تک اس کی باتوں کو پہنچائیں، اس میں خاص طور پر بڑی ذمہ داری ان حضرات کی ہے جو جاننے والے ہیں اور قرآن کے پیغام کو سمجھتے ہیں کہ وہ ان لوگوں تک اس کا پیغام پہنچائیں جو اس دولت سے محروم ہیں۔

ہم سب جانتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک موسم ہوتا ہے اور اس میں تھوڑی محنت سے بہت کچھ نتائج حاصل ہو جاتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ رمضان المبارک قرآن مجید سے مناسبت پیدا کرنے کا خاص موسم ہے اور قرآن مجید سے اصل مناسبت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب اس پر عمل کیا جائے، اس پر عمل کرنے ہی سے تقویٰ کا مزاج بنتا ہے

اور آدمی صحیح معنوں میں قرآن مجید کی رہنمائی میں زندگی کا سفر طے کرتا ہے، اس لیے اس مبارک مہینہ میں فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے، خامیاں کس میں نہیں ہوتیں، اگر ہر شخص یہ طے کرلے کہ ہمیں اس مہینہ میں ایک ایک کرکے اپنے تمام نقائص دور کرنا ہیں اور دین کے جن شعبوں میں ہم سے کوتاہی ہورہی ہے ان میں خاص طور پر مضبوطی پیدا کرنی ہے تو یقیناً یہ رمضان ایک سوغات ثابت ہوگا۔

قرآن مجید کا اہم ترین موضوع عقائد کی تصحیح ہے، قرآن مجید کا کوئی صفحہ بلکہ کوئی آیت توحید کے مضمون سے خالی نہیں ہے، اس مبارک مہینہ میں خاص طور پر عقائد کی تصحیح کا کام کیا جائے، ہم میں ہر شخص اپنا جائزہ لے، کہیں ایسا تو نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی معاملات میں تصرف کرنے والا سمجھا جارہا ہو، یا کسی بزرگ کے بارے میں یہ تصور ہو کہ وہ جو چاہیں گے ہوجائے گا، یقیناً یہ چیز توحید کے منافی ہے اور شرک تک پہنچادیتی ہے، یہ یقین دل میں بٹھایا جائے کہ جو ہوتا ہے وہ اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے، ہزار ارادوں اور کوششوں کے بعد بھی ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسباب بس سے باہر ہوجاتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسباب کام نہیں دیتے، اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے سبب پیدا کردیتا ہے اور جب کبھی چاہتا ہے تو بغیر سبب کے ہی دے دیتا ہے، کبھی اللہ تبارک وتعالیٰ اسباب سے تاثیر سلب کرلیتا ہے اور کبھی اس میں اثر پیدا فرمادیتا ہے۔

سارے اسباب اختیار کرلینے کے بعد بھی جب بات نہیں بنتی، اس وقت سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی اور طاقت ہے جس کی کارفرمائی ہے۔ اسباب ضرور اختیار کیے جائیں، اس لیے کہ یہ شریعت کا حکم ہے مگر نگاہ مسبب الاسباب پر ہونی چاہیے، کسی کو بھی اللہ کے ارادہ اور تصرف میں دخیل سمجھنا شرک ہے، ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ (جو وہ چاہتا ہے کرگذرتا ہے) کی صفت صرف اللہ کی ہے۔

عقیدۂ توحید کی تصحیح کے ساتھ عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ آخرت کو بھی راسخ کیا جائے، خاتم النبیین ﷺ کو آخری نبی اور نبیوں کا سردار سمجھنا عقیدہ کا جز ہے، ان کی محبت عین ایمان ہے اور آخرت کا استحضار جتنا ہوگا اتنا ہی اعمال میں آسانی پیدا ہوگی۔

جہاں تک عبادات کی کثرت کا تعلق ہے تو یہ اس مہینہ کی خاص بات ہے، نماز، تلاوت، ذکر اور درود شریف کی کثرت ایک ایک لمحہ کو قیمتی بنانے کی کوشش ضروری ہے۔

حاصل یہ کہ اس ماہِ مبارک میں تاک تاک کر اپنی بری عادتوں کو چھڑانے کی بھرپور کوشش کی جائے، اس کام کے لیے اس سے زیادہ مناسب اور کوئی زمانہ نہیں ہوسکتا، اس مہینے میں دل نرم پڑتے ہیں، طبیعت خیر کی طرف مائل ہوتی ہے، سرکش شیاطین قید ہو چکے ہوتے ہیں، نفس کی گندگیوں کو دھونے کا اس سے بہتر کوئی موقع نہیں ہوسکتا۔

یہی قرآن مجید سے مناسبت پیدا کرنے کے طریقے ہیں جن سے تقویٰ کی شان پیدا ہوتی ہے اور رمضان اس کا بہترین زمانہ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جو شخص بھی تقویٰ کی زندگی گزارتا ہے اور اس کے لیے وہ قرآن مجید سے نسبت حاصل کرتا ہے، اس سے اپنا تعلق استوار کرتا ہے، اپنے راستہ کو مضبوط کرتا ہے، اس کی روشنی میں زندگی گذارنا چاہتا ہے اور اس کی روشنی کو حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ طالب بن کر آتا ہے اور سچی طلب لے کر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے یہ نعمت ایسے بھر بھر کر دیتے ہیں کہ اگر وہ لینا چاہے تو اللہ کے یہاں خزانہ میں کوئی کمی نہیں، جتنا وہ لینا چاہے لے لے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس طلب صادق کی بنا پر جن حضرات کو تقویٰ کی یہ دولت نصیب فرماتا ہے اور ان کے اندر اللہ کا ڈر، خوف وخشیت اور اللہ کا لحاظ ہوتا ہے تو اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر کام کرنے سے پہلے سوچتے ہیں کہ کہیں ہم اللہ کو ناراض کرنے والا کوئی کام تو نہیں کر رہے ہیں، قرآن میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم

مُّبْصِرُونَ﴾ (الأعراف: ۲۰۱)

(یقیناً پرہیزگاروں کا حال یہ ہے کہ جب بھی ان پر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو کر بھی گذرتا ہے تو وہ چونک جاتے ہیں بس ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔)

ایک بات اور توجہ دینے کی ہے کہ یہ کوششیں آغاز رمضان سے ہی شروع کر دی جائیں اور پھر پورے مہینہ جو اللہ کے قرب و رضا اور توجہ و انابت کی کوشش کی گئی ہے ان کی حفاظت کی فکر کی جائے، بعض عارفوں نے یہ بات لکھی ہے کہ کسی اچھی کیفیت کا حاصل کر لینا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا مشکل اس کی حفاظت کرنا ہے۔

خدا کرے کہ امسال ہلال عید ایک نئی زندگی کا پیام لے کر آئے جو گذشتہ سالوں کی زندگی سے بہتر ہو اور سال بہ سال رمضان میں قرآن کا رنگ گہرا ہوتا جائے، یہاں تک کہ وہ ایسا پختہ ہو جائے کہ پھر اس پر کوئی دوسرا رنگ چڑھ ہی نہ سکے۔ یہی وہ ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ﴾ یعنی اللہ کا رنگ ہے جس سے بہتر کوئی دوسرا رنگ ہو نہیں سکتا اور یہی ربانی اور قرآنی رنگ ہے جو ہر ایمان والے پر چڑھنا اس کے ایمان کے لیے ضروری ہے اور کوئی بھی رنگ پوری طرح اسی وقت چڑھتا ہے جب اور دوسرے رنگ دھو دیئے جائیں۔

رمضان المبارک میں عام طور پر انسان روزے اور تراویح سے صفائی حاصل کرتا ہے، دل کی سختیاں صاف ہونے لگتی ہیں، اس وقت اگر اس ربانی قرآنی رنگ کو چڑھانے کی کوشش کی جائے گی تو وہ چڑھے گا اور خوب چڑھے گا اور یہی چیز قرآن مجید سے مناسبت بڑھانے کا ذریعہ بنے گی۔

یہ مہینہ دعوت دیتا ہے قرآن مجید سے حقیقی مناسبت پیدا کرنے کی جو بنیاد ہے تقویٰ اور اخلاص کی، دیکھنا یہ ہے کہ کون اس کی دعوت پر لبیک کہتا ہے اور ربانی و قرآنی رنگ میں اپنے آپ کو رنگ کر پوری دنیا کے سامنے ایسا نمونہ پیش کرتا ہے جو دنیا کی ضرورت ہے۔

رمضان المبارک اور تراویح

رمضان المبارک کو قرآن مجید سے ایک خاص نسبت ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيَ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ﴾ (البقرة: ۱۸۵)

(رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں راہ یابی اور (حق و باطل میں) امتیاز کی کھلی نشانیاں ہیں۔)

اس میں شبہ نہیں کہ عام دنوں کے مقابلے اس مہینے میں ہر صاحب ایمان کا قرآن مجید سے شغف بڑھ جاتا ہے، تلاوتِ قرآن کا ایک عمومی ماحول ہوتا ہے اور بعض وہ لوگ جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ مزید توفیق سے نوازتا ہے اور وہ قرآن کے دوسرے حقوق کو ادا کرنے کی بھی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔

تراویح کی نماز بھی اس مہینے سے قرآن کی مناسبت کا ایک واضح ثبوت ہے، تراویح کی نماز اللہ کے رسول ﷺ کی ایک محبوب سنت ہے جس کا اہتمام آپ ﷺ پورے مہینے بڑے ذوق وشوق سے فرماتے تھے اور حضرت جبریلؑ کے ساتھ قرآن مجید کا دور بھی کرتے تھے، صحیح بخاری میں ذکر ہے کہ

"كَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ."(۱)

(حضرت جبریلؑ) رمضان کی ہر رات آپ ﷺ سے ملاقات کرتے تھے پھر آپ کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے۔)

حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ رمضان المبارک میں تراویح کا اہتمام خاص طور پر بڑی فضیلت کی چیز ہے اور گناہوں سے مغفرت کا ذریعہ ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ قیام رمضان کی بہت ترغیب دلاتے تھے، تاہم اس سلسلہ میں سختی پر عمل نہیں کرتے تھے، البتہ یہ ضرور ارشاد فرماتے تھے کہ

"مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ."(۲)

(جو شخص ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے قیام رمضان کا اہتمام کرے تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔)

روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز تراویح کا غیر معمولی اہتمام کرتے تھے، لیکن آپ ﷺ اس سلسلہ میں سہولت سے کام لیتے تھے تاکہ امت مشقت میں نہ پڑ جائے اور یہ نماز ان پر فرض نہ ہو جائے، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"خَشِيتُ أَنْ تُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوا عَنْهَا."(۳)

(مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے پھر تم اس کی ادائیگی سے عاجز آ جاؤ۔)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں

(۱)صحيح البخاری، كتاب بدء الوحي، باب...: ٦

(۲)صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الترغيب فی قيام رمضان: ١٨١٥

(۳)صحيح البخاری، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان: ٢٠١٢

نماز تراویح کا ایک عام ماحول تھا، یہاں تک کہ مسجد نبوی لوگوں سے کھا کھچ بھری ہوتی تھی، آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی معمول تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے شروع دور خلافت میں بھی لوگ اسی پر قائم تھے، تاہم جب اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا اور حضرت عمرؓ نے یہ دیکھا کہ مسجد میں بعض لوگ انفرادی طور پر نماز پڑھ رہے ہیں اور بعض جماعت سے پڑھ رہے ہیں تو آپ نے یہ ضرورت محسوس کی کہ باضابطہ ایک نظام بنادیا جائے تاکہ یہ امت انتشار سے محفوظ رہے، اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ جماعت تراویح کا حکم دیا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو امام مقرر کیا پھر آپ نے فرمایا:

"نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ."(۱) (یہ کیا ہی خوب بدعت (نیا کام) ہے۔)

واقعہ یہ ہے کہ تراویح کی نماز رمضان المبارک کا ایک اہم جز اور لوگوں کے سینوں میں حفاظت قرآن کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ تراویح اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے کہ آدمی اللہ کے سامنے کھڑا ہو جائے، وہ قرآن مجید سنے یا سنائے، اس سے براہ راست اللہ کی نعمتیں دل میں بھر جاتی ہیں، دل روشن ہوتا ہے اور سکون کی ایسی دولت ملتی ہے جس کی شاید آج پوری دنیا ضرورت مند ہے، اس لیے تراویح پورے اہتمام کے ساتھ پڑھنی چاہیے، اس کو بوجھ نہ سمجھا جائے بلکہ اللہ کی ایک نعمت تصور کیا جائے۔

بعض اوقات آدمی کو تراویح کے دوران پیروں میں تکلیف، تھکن یا درد کا احساس ہونے لگتا ہے، اس موقع پر اللہ کے نبی ﷺ کی اس سنت کو یاد کرنا چاہیے کہ آپ

(۱) صحیح البخاری، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان: ۲۰۱۰
اس پوری تفصیل کا مطالعہ کرنے کے لیے صحیح بخاری کا "باب صلاۃ التراویح" اور صحیح مسلم کا "باب الترغیب فی قیام رمضان" ملاحظہ ہو۔

ﷺ رات رات بھر نمازوں میں کھڑے ہوتے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک پر ورم آجاتا تھا، اگر کوئی آپ سے کہتا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ نے آپ کو بخش دیا ہے تو آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ

"أَفَلاَ أَكُونُ عَبْداً شَكُوراً."(۱)

(کیا میں ایک شکرگذار بندہ نہ بنوں۔)

اگر ہمارے سامنے اللہ کے نبی ﷺ کی یہ مبارک سنت ہو، پھر ہمارے قدموں پر ورم بھی آجائے اور ہمارے پیر پھٹنے بھی لگیں تب بھی ایک مزہ نصیب ہوگا کہ ہم بھی حضور کی ایک سنت ادا کرنے والے شمار ہوں گے، ہمارے لیے اللہ کے نبی ﷺ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں ہوسکتا، آپ ﷺ پر ہماری جانیں فدا، ہماری عزتیں فدا، ہمارے ماں باپ قربان اور ہماری ساری دولتیں ان کے لیے نچھاور ہیں، اگر آدمی کو ان چیزوں کا احساس ہو تو یقیناً مزہ آنے لگے گا۔

آج کل لوگوں میں ایک عام چلن یہ بھی ہوگیا کہ چار پانچ دن ہی میں تراویح کے اندر قرآن مجید مکمل سن کر وہ فارغ ہوجاتے ہیں، پھر ہوٹلوں میں بیٹھتے ہیں، گپ شپ کرتے ہیں اور تفریحات میں مست ہوجاتے ہیں، ظاہر ہے یہ بالکل مناسب نہیں، تاہم وہ حضرات جن کے سامنے کچھ مجبوریاں ہیں مثلاً: کوئی کاروباری آدمی ہے یا کسی کو باہر جانا ہے تو وہ چند دنوں میں تراویح کے اندر مکمل قرآن مجید سن لے لیکن بقیہ ایام میں وہ جہاں بھی رہے وہاں اس کے لیے نماز تراویح کی پابندی ضروری ہے، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، اس لیے کہ تراویح میں مکمل قرآن مجید سننا ایک سنت ہے اور پورے مہینے تراویح کا اہتمام کرنا ایک الگ سنت ہے۔

(۱)صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب الصبر عن محارم اللّٰه: ٦٤٧١

رمضان المبارک اور تقویٰ

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین وعلیٰ من تبعھم بإحسان ودعا بدعوتھم إلیٰ یوم الدین أما بعد! فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ﴿ یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِن قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُونَ ﴾ صدق اللّٰہ العظیم.

میں نے آپ کے سامنے خطبہ میں جو آیت تلاوت کی اس سے روزہ کی فرضیت اور اس کے مقصد کا پتہ چلتا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِن قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرۃ: ۱۸۳)

(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے روزہ مسلمانوں کو اذیت میں مبتلا کرنے کے لیے فرض نہیں کیا، جیسا کہ بعض لوگوں کی مذہبی کتابوں میں روزہ کا یہ مقصد لکھا ہوا ہے کہ اس

کے ذریعہ اللہ تمہاری جانوں کو دکھ دینا چاہتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اللہ ہماری جانوں کو بالکل بھی دکھ دینا نہیں چاہتا بلکہ وہ ہمیں اپنی رضا کے سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے، اب اگر اس رضا کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں قربانی دینی پڑے، اپنے نفس کے خلاف کرنا پڑے، یا کچھ وقت کے لیے بھوکا رہنا پڑے اور اپنی خواہشات سے دور رہنا پڑے تو ہم یہ سب کام کریں گے اور ہمیں اس کا مکلّف بھی کیا گیا ہے، تاہم ان سب باتوں کا مقصود ہماری جانوں کو دکھ دینا نہیں ہے بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ اللہ ہم سے راضی ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر روزہ کا جو مقصد بیان فرمایا' اس کا ذکر اوپر آیت میں آچکا اور یہ آیت اس ماہِ مبارک میں بار بار پڑھی جاتی ہے، ظاہر ہے اس سے زیادہ برمحل کوئی دوسری آیت نہیں ہوسکتی جس میں روزہ کا مقصد بیان کیا گیا ہو۔

آیت میں رمضان کے روزہ کا مقصد یہ بیان کیا گیا کہ تمہارے اندر تقویٰ کی شان پیدا ہوجائے، یا یہ کہ تقویٰ کا مزاج پیدا ہوجائے۔ تقویٰ صرف مظاہر کا نام نہیں، بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اچھا لباس پہن لینا، داڑھی رکھ لینا، ٹوپی پہن لینا، پگڑی باندھ لینا، پائجامہ ٹخنوں سے اوپر نہیں بلکہ نصف ساق تک پہن لینا' تقویٰ ہے، اس میں شبہ نہیں کہ یہ سب چیزیں تقویٰ کی اعلیٰ مظاہر ہیں لیکن صرف یہی تقویٰ نہیں ہے، اگر آدمی سب کچھ کرکے اندر سے کھوکھلا ہو تو وہ تقویٰ نہیں بلکہ فسق وفجور ہے۔

تقویٰ بڑی اہم صفت ہے بلکہ تمام کاموں کی بنیاد ہے، مگر بات یہ ہے کہ بعض مرتبہ بہت سے الفاظ کثرت استعمال کی بنا پر اپنا مفہوم کھو دیتے ہیں یا پھر عام طور پر لوگوں کے ذہن ودماغ میں ان کی وہ اہمیت باقی نہیں رہتی، انھی میں سے ایک لفظ ''تقویٰ'' بھی ہے، اردو میں جب کسی کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ فلاں صاحب بڑے متقی ہیں تو عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ ماشاء اللہ وہ بہت نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور ان کا لباس بھی ظاہری طور پر بہت حد تک شریعت کے مطابق ہے، گویا ظاہری

اعمال کو تقویٰ سمجھا جاتا ہے اور یہ ایک عام مزاج بنا ہوا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ تقویٰ کے لفظ میں بہت عموم اور وسعت ہے، اس کا ایک ترجمہ ڈرنے سے بھی کیا جاتا ہے لیکن اگر دیکھا جائے تو اس کے اندر بھی تقویٰ کا پورا مفہوم نہیں ہے، تقویٰ کا اصل مطلب ہے: اللہ کا لحاظ کرنا یعنی غلط کاموں سے بچنا اور اچھے کام کرنا، تقویٰ میں دونوں چیزیں آتی ہیں، اس لیے کہ جب اللہ کا لحاظ اور اس کا خیال ہوگا تو آدمی وہ زندگی گذارے گا جس سے اللہ راضی ہو، بہت سے کام ایسے ہیں جو کرنے کے ہیں اور بہت سے کام ایسے ہیں جو کرنے کے نہیں ہیں، اس لیے کسی بھی آدمی پر تقویٰ کا مکمل اطلاق اسی وقت ہوگا جب کرنے والے کام کیے جائیں اور نہ کرنے والے کاموں سے بچا جائے۔ معلوم ہوا کہ تقویٰ کہتے ہیں بچنے اور بچاؤ کو یعنی اپنے آپ کو ہر حال میں جہنم سے بچاؤ کی کوشش اور اس دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے، ان سے اپنے آپ کو بچانا۔

ایک مرتبہ کسی صحابیؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: کیا کبھی آپ کا ایسے راستہ پر گذرنے کا اتفاق ہوا ہے جس کے دونوں طرف کانٹوں کی باڑ لگی ہو؟ وہ بولے: ہاں، انہوں نے پوچھا: تو آپ اس راستہ سے کیسے گذرے؟ بولے: اپنے کپڑوں کو بچاتے ہوئے کہ کہیں کانٹوں سے دامن الجھ نہ جائے اور کپڑا اس میں پھنس نہ جائے، ظاہر ہے ایسے راستہ پر بہت احتیاط سے گذرنا پڑتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ بس اسی احتیاط کا نام تقویٰ ہے، آدمی دنیا میں زندگی گذارے لیکن احتیاط کے ساتھ گذارے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دنیا کو امتحان کا گھر بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں کشش کی ایسی چیزیں رکھ دی ہیں کہ انسان ان کی طرف کھنچتا ہے اور اس کی طبیعت ہر لحاظ سے اس کی طرف مائل ہوتی ہے، ایسی صورت میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا اور اللہ کا

لحاظ ہونا، اس کا ڈر ہونا اور اس بات کا خیال ہونا کہ ہم کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے اللہ ناراض ہو، یہ اصل تقویٰ کا مزاج ہے، آدمی جب خود پر محنت کرتا ہے اور اپنے لیے کوشش کرتا ہے کہ اس کے اندر یہ مزاج بنے تو آہستہ آہستہ اس کا مزاج بنتا ہے، اس لیے کہ تقویٰ کسی بٹن کا نام نہیں کہ دبایا اور کام ہو گیا بلکہ تقویٰ محنت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

رمضان کے روزوں کی فرضیت کی حکمت یہی بیان کی گئی ہے کہ اس سے تقویٰ کا مزاج بنتا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرة: ۱۸۳)

(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔)

اس میں شبہ نہیں کہ رمضان کا مہینہ تقویٰ پیدا ہونے اور اس کا مزاج بننے کا ایک بڑا ذریعہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو روزے ہم کو دیے ہیں، یہ ایک ذریعہ ہیں تقویٰ کا مزاج بنانے کا اور اپنے اندر تقویٰ کی شان پیدا کرنے کا، اس میں آدمی اللہ کے حکم سے ان چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے جو چیزیں اس کے لیے جائز ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنا کھانا پینا بھی چھوڑ دیتا ہے جس کے بارے میں خود قرآن مجید میں کہا گیا ہے:

﴿كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً﴾ (المؤمنون: ۵۱)

(پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور بھلے کام کرو۔)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿كُلُواْ وَاشْرَبُواْ مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلاَ تَعْثَوْاْ فِي الأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾

(البقرة: ٦٠)

(اللہ کے رزق میں سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرو۔)

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں کھانے پینے کی اجازت ہی نہیں بلکہ حکم ہے اور بلاشبہ یہ انسانی زندگی کی ایک ضرورت ہے لیکن رمضان المبارک میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک کا ایک خاص وقت ہوتا ہے جس میں آدمی نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، گویا یہ وقفہ ایک طرح کی ریہرسل ہے کہ جو چیزیں جائز ہیں، اللہ کے حکم سے بندہ نے وہ بھی چھوڑ دیں، اب وہ چیزیں جو ناجائز ہیں اور ہمیشہ کے لیے حرام ہیں، ان سے آدمی کیسے قریب ہوسکتا ہے؟!

جن چیزوں سے بچنا ضروری ہے ان میں سرفہرست کفر وشرک ہے، بدعت ہے، بڑے اور چھوٹے گناہ ہیں، حق تلفیاں ہیں، معاملات کی صفائی نہ ہونا ہے اور وہ ساری چیزیں جن سے اللہ نے ہمیں روکا ہے، ان سے رک جانے اور بچنے کا نام تقویٰ ہے۔

تقویٰ کے مختلف مراتب ہیں، ایک شخص وہ ہے جو کفر وشرک سے بچ گیا اور ایمان میں آ گیا لیکن بقیہ چیزوں سے وہ نہیں بچا تو یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نے صرف بنیاد ڈال دی اور عمارت بنانے کی فکر نہیں کی، سوچنا چاہیے کہ کیا کوئی صرف بنیاد بنا کر گھر میں رہ سکتا ہے، ظاہر ہے اگر دائیں بائیں دیواریں نہ ہوں، چٹیل میدان ہو اور اوپر چھت بھی نہ ہو تو وہ جگہ تنہا بنیاد پڑنے کی وجہ سے رہنے کے لائق نہیں ہوسکتی، یہ الگ بات ہے کہ بنیادوں کی ضرورت اپنی جگہ ہے لیکن تنہا بنیادیں ہی کافی نہیں بلکہ اس کے بعد کا کام اصل ہے۔

اسی طرح کفر وشرک سے توبہ کر کے ایمان واسلام میں داخل ہونے کے بعد فرائض اور اعمال صالحہ کی پابندی بھی ضروری ہے، یہ چیزیں ہماری زندگی کے لیے لازمی ہیں، ہمیں نماز پڑھنی ہے، روزہ رکھنا ہے، حساب لگا کر زکوٰۃ دینی ہے اور اگر کاشت کاروں کے ذمہ عشر ہے تو وہ ادا کرنا ہے اور اگر کسی پر اتنی دولت ہے کہ وہ حج کے لیے جاسکتا ہے تو اس پر حج فرض ہے، یہ سب چیزیں فرائض میں شامل ہیں، اگر یہ فرائض ادا نہیں کیے جائیں گے تو تقویٰ ناقص ہوگا، ایسی صورت میں ہمارے پاس

تقویٰ کی بنیاد یعنی ایمان تو ہوگا تاہم اس کے اوپر تعمیر ہونے والی عمارت نہیں ہوگی۔

اسلامی فرائض کی ادائیگی سے گویا دیواریں کھڑی ہونا شروع ہوجاتی ہیں لیکن ان دیواروں کی مضبوطی کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر اخلاص بھی ہو، جتنا اخلاص ہوگا اسی قدر ان دیواروں میں مضبوطی پیدا ہوگی، اب اگر کسی کی نماز دکھاوے والی ہوگی تو ظاہر ہے وہ دیوار مٹی کی ہے، نہ جانے کون سی تیز ہوا اسے اڑا لے جائے، نماز ایسی ہونا چاہیے کہ آدمی اللہ کو سامنے رکھ کر نماز پڑھے اور ذہن میں یہ تصور ہو:

"أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ."(۱)

(تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو (یہ استحضار ضروری ہے کہ) بلاشبہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔)

دیواروں کی مضبوطی ایمان و اخلاص سے وابستہ ہے پھر اس کے بعد اس عمارت کی چھت پڑنے کا مرحلہ آتا ہے اور اسلام کی وہ چھت حقوق کی ادائیگی سے پڑتی ہے، حقوق میں بنیادی طور پر والدین کا حق ہے، بھائی بہن، بیوی اور پڑوسی کا حق ہے، یاد رکھئے! اگر کسی نے حقوق واجبہ کو ادا نہ کیا تو اس کی عمارت میں گویا جگہ جگہ رخنے ہیں، وہ ایسی چھت ہے کہ اس میں جگہ جگہ سے پانی رِسے گا اور آدمی کا وہاں رہنا محال ہوجائے گا، اگر کوئی آدمی شریعت کے مطابق ترکہ کی تقسیم نہ کرے، وراثت کی تقسیم میں اپنے آپ حصہ زیادہ لے کر دوسرے کو کم دے، یا بھائی سب جائیداد ہڑپ کر جائیں اور بہنوں کو ان کا حق نہ دیں، یا قرآن مجید ماں باپ کا جو حق بیان کرتا ہے وہ حق آدمی ان کو نہ دے، سچی بات یہ ہے کہ یہ سب حق تلفیاں تقویٰ کے بالکل منافی ہیں اور ایسی زندگی تقویٰ والی نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کسی کا مشترک کاروبار ہے تو جس کا جو حق ہے وہ ادا کیا جائے، جب اس میں تقسیم کا وقت آئے تو جس کا جو حق ہے وہ اس کو بلا کر اس کے حوالے کیا

(۱)صحيح البخاری، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل...: ۵۰

جائے، ایسا نہ ہو کہ آدمی خود زیادہ ہڑپنے کی تاک میں رہے۔

اسی طرح اگر کوئی آدمی دوکان میں سامان بیچتے وقت ناپ تول میں کمی کر رہا ہے، یا دوکان پر پھٹا نوٹ چلا دیتا ہے، یا تھان میں پھٹا کپڑا رکھ کر دھوکے سے بیچ رہا ہے تو یہ سب شکلیں تقویٰ کے منافی ہیں، تقویٰ کی اصل زندگی یہ ہے کہ آدمی کسی کا حق نہ مارے اور اس کے معاملات بالکل صاف ہوں۔

حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ایک مرتبہ بازار سے گذر ہوا، وہاں ایک جگہ غلہ کا ڈھیر لگا ہوا تھا، آپ ﷺ نے اس کے اندر اپنا عصائے مبارک داخل کیا اور نکالا تو دیکھا کہ اندر کا غلہ گیلا اور اوپر کا خشک ہے، آپ ﷺ نے وجہ دریافت کی تو انھوں نے بتایا کہ رات بارش ہوئی تھی جس سے یہ غلہ بھیگ گیا تھا، اب اوپر کا حصہ خشک ہو چکا لیکن اندر ابھی تری باقی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کو برابر کر دو، ایسا نہ ہو کہ خریدنے والا دھوکہ میں پڑ جائے پھر آپ ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

"مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا." (۱)

(جس نے دھوکہ دیا تو اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ اس طرح کی ہر خیانت تقویٰ کے عین منافی ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی آدمی ملازم ہے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے فریضہ اور ڈیوٹی کو پوری طرح ادا کرے، اگر وہ اس میں ڈنڈی مارتا ہے تو یہ تقویٰ کے منافی ہے، ظاہر ہے جو اپنی ڈیوٹی میں ڈنڈی مارتا ہے تو وہ اپنے اسلام کی عمارت میں رخنے ڈالتا ہے، اس کی چھتیں پھٹ جائیں گی، دیواریں رِسنے لگیں گی اور اس کے مکان میں مضبوطی باقی نہیں رہے گی، اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ حقوق کا دھیان رکھے اور پورا کا پورا وقت دے، اگر کوئی ملازمت میں وقت کی بھی ڈنڈی مارتا ہے تو غلط ہے اور خیانت ہے۔

(۱) سنن الترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی کراهية الغش فی البیوع: ۱۳۶۳

ملازمت کی یہ بات صرف سرکاری ملازم پر ہی نہیں بلکہ ہر اس شخص پر منطبق ہوتی ہے جس کو تنخواہ ملتی ہے چاہے وہ مدرسہ میں پڑھانے والا ہو، دینی کام کرنے والا ہو یا آفس کی ذمہ داریوں سے اس کا تعلق ہو، کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ وقت کو ضائع کرے اور اس کے ذمہ جو کام کیا گیا ہے وہ نہ کرے۔

ملازمت کے سلسلہ میں دو الگ الگ چیزیں ہیں جن کا دھیان رکھنا ضروری ہے، ایک چیز یہ ہے کہ آدمی پورا وقت دے اور دوسری چیز یہ ہے کہ وہاں بیٹھ کر موبائل وغیرہ نہ دیکھے، اگر کسی نے موبائل کھول لیا اور اس میں لغو چیزیں دیکھ کر وقت گذاری کر رہا ہے، یا فون پر باتیں کر رہا ہے اور اپنا مفوضہ کام پورا نہیں کر رہا ہے تو یہ چیز بالکل غلط اور ناجائز ہے، اس وقت کے عوض میں اس کو جو تنخواہ مل رہی ہے وہ اس کے لیے حلال نہیں ہے۔

ہماری زندگی کے یہ وہ جھول اور خرابیاں ہیں جن کو کہنے والے کہتے رہتے ہیں اور سننے والے سنتے رہتے ہیں لیکن ہم کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ اس کا کیا نقصان بھگتنا پڑے گا؟!

رمضان ہمیں تقویٰ کی جو زندگی عطا فرماتا ہے اس میں بنیادیں بھی ہیں، دیواریں بھی ہیں اور چھت بھی، صرف یہی نہیں بلکہ اس میں Decoration بھی ہے، سوچنے کی بات ہے کہ آج کے دور میں صرف مکان کے ڈھانچے میں کون رہتا ہے؟ اب تو عمارت میں پلاسٹر، رنگ وروغن اور فرش بچھائے بغیر کوئی بھی نہیں رہنا چاہتا، اسلام کی عمارت میں سنن ونوافل کی حیثیت انہی چیزوں کی طرح ہے، ہمارے سامنے اخلاقی ومعاشرتی زندگی کے تقاضے ہیں، ان کی حیثیت فرائض وواجبات کی نہیں ہے تاہم ان کے بغیر سچی بات یہ ہے کہ زندگی کے حسن کا تصور ہی نہیں، اگر ہم اخلاق کی اعلیٰ چوٹی پر پہنچ جائیں تو ہمارا مکان ایسا خوبصورت نظر آئے گا کہ ہر فرد اس میں داخل ہونا اپنے لیے باعث فخر سمجھے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے اعلیٰ اخلاق رکھنے والوں کی زندگی بڑی حسین وجمیل اور خوبصورت ہوتی ہے اور ان کے پاس کچھ لمحے بسر کرنا لوگ اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں،

ان کے پاس رہ کر لوگوں کی زندگیاں بدلتی ہیں، ہمارے اسلاف کی زندگیاں اس پر شاہد ہیں۔ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے غیر معمولی ایمان واخلاق کی بلندی عطا فرمائی تھی، ان کی زندگی ایسی تھی کہ ایمان کے ساتھ جو ایک مرتبہ ان کو دیکھ لے تو اس کے اوپر ایک اثر پڑتا تھا اور یہ چیز گویا نسبت نبوت تھی، ان کو اللہ کے نبی ﷺ کی غلامی کا جو شرف حاصل تھا' یہ اسی کا فیض تھا، حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کی مبارک زندگی سے جو جتنا قریب ہوگا' اللہ اس کو یہ اثر دے گا پھر اس کی عمارت میں یقیناً ایک حسن پیدا ہوگا۔

اسلام کی عمارت کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اس کو باہر کی گرم وسرد ہواؤں سے محفوظ رکھیں، اگر ہم نے اس عمارت کی کھڑکیوں کو چوپٹ کھول دیا تو اس میں اے سی اور کولر کچھ کام نہ کریں گے بلکہ باہر سے لو آتی رہے گی، اس لیے اس عمارت کو محفوظ رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو گناہوں سے بچائیں، باہر کے سرد وگرم سے محفوظ رکھیں، ایسا نہ ہو کہ آپ نے الحمد للہ سارے اچھے کام کر لیے لیکن بہت سی بری عادتوں میں بھی مبتلا ہیں، خدانخواستہ کوئی نشے کی طرف جارہا ہے اور اس کو احساس بھی نہیں ہوتا، اس وقت تو حالت یہ ہے کہ بعض مرتبہ اچھے اچھے لوگ اس کا شکار ہوجاتے ہیں، وہ نماز بھی پڑھ رہے ہیں اور نشہ بھی کر رہے ہیں، حد تو یہ ہے کہ بعض لوگ مسجد کے متولی ہیں اور سودی کاروبار بھی کر رہے ہیں۔

اسلام کی عمارت کو مضبوط کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ امر بالمعروف کے ساتھ انکار منکر کا کام بھی کیا جائے، اگر ایسا نہ ہوا تو ہمارے سماج میں تعفن اس قدر بڑھتا چلا جائے گا کہ ہم کیسا ہی محل بنالیں لیکن وہ تعفن ہمارے محل میں بھی داخل ہوکر رہے گا۔ اگر آدمی صرف اپنی ذات تک محدود رہ گیا تو یہ بھی کافی نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت کو خاص طور پر امت دعوت بنایا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ

الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے، تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

اس آیت میں بڑی حکیمانہ بات ارشاد ہوئی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بعد ضرورت ہوتی ہے کہ آدمی اپنا ایمان تازہ کرے۔ مشہور ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کو جب میوات میں گشت کرتے ہوئے زیادہ دن ہو جاتے تھے تو وہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں حاضر ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ حضرت! لوگوں سے مل مل کر دل پر ایک زنگ آ گیا ہے، اس کو دور کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں آیا ہوں۔ معلوم ہوا کہ ملنے جلنے سے دل پر زنگ آتا ہے، اس لیے کہ سماج میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں اور ان کی زندگی، ان کے رہن سہن اور ان کی باتوں کا دل پر ایک اثر پڑتا ہے۔

تقویٰ کی مکمل زندگی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اپنا بھی خیال رکھے اور سماج کی اصلاح کی بھی فکر کرے کہ کیا چیزیں مر رہی ہیں، کیا چیزیں جی رہی ہیں اور کیا چیزیں پنپ رہی ہیں اور آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی ہیں؟ اگر ہمیں یہ خیال نہ رہا تو آج دوسروں کے لڑکے اس کا شکار ہو رہے ہیں، اللہ بچائے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ کل ہماری اولاد بھی اس کا شکار ہونے لگے، اس لیے ہمیں سماج کو بنانا پڑے گا اور یہ ہماری ایک بنیادی ذمہ داری ہے۔

اس مبارک مہینے کا یہی مقصد ہے کہ ہم تقویٰ کی زندگی اختیار کریں، اللہ نے ہمیں اس ماہ مبارک میں روزہ کی توفیق دی، روزہ کے اندر آدمی حلال وطیب چیزوں کو بھی چھوڑ دیتا ہے، اس کے سامنے اعلیٰ سے اعلیٰ دسترخوان لگا ہو اور مرغوب چیزیں سجی ہوں لیکن روزہ کی حالت میں وہ ان کو ہاتھ نہیں لگاتا، وہ چیزیں جو مرغوب ہیں اور

حلال وطیب بھی لیکن ایک متعین وقت کے لیے اللہ نے ان کے استعمال سے روک دیا، گویا اس سے ایک مشق کرانا مقصود ہے کہ جب اللہ کے حکم پر بندے نے حلال وطیب چیزیں خاص وقت کے لیے چھوڑی ہیں تو اس کے لیے ناجائز اور خبیث چیزوں کو ساری زندگی چھوڑنا مشکل نہیں ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو رمضان کا مقصد سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور تقویٰ کی مکمل زندگی اختیار کرنا آسان کرے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

رمضان المبارک اور ایثار ومؤاسات

''ایثار ومؤاسات'' رمضان المبارک کا ایک بڑا عمل اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبوب سنت ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے رمضان المبارک کا معمول بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ."(۱)

(آپ ﷺ (رمضان میں) بھلائی میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔)

حدیثوں میں آتا ہے کہ آپ ﷺ اس ماہِ مبارک کو "شهر المؤاساة" بھی کہتے تھے۔ ایثار ومؤاسات کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے، ایثار کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی ضرورت پر دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دے اور اپنی ذات پر دوسرے کو مقدم کرے اور مؤاسات کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کسی کے دکھ درد میں شریک ہو۔

بعض لوگ رمضان کے مہینہ کو صرف اس حیثیت سے جانتے ہیں کہ اس میں زیادہ سے زیادہ تلاوت کی جائے اور نوافل کی تعداد بڑھادی جائے، بے شک یہ بھی ضروری ہے، قرآن مجید کی تلاوت بہت مبارک عمل ہے، اس لیے کہ قرآن سے رمضان کے مہینہ کو خاص مناسبت ہے، اس مہینہ میں نمازیں بھی کثرت سے پڑھی

(۱)صحيح البخاری، كتاب الصوم، باب أجود ما كان النبي: ۱۹۰۲

جائیں، درود شریف بھی پڑھا جائے، اذکار بھی کیے جائیں، دعائیں بھی مانگی جائیں، تاہم ایثار و مؤاسات کا اہتمام بھی اس کے حسن میں اضافہ کا ذریعہ ہے۔

ایثار و مؤاسات کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت مندوں کے ساتھ ہمدردی کرنا، کسی سے اچھے بول بول دینا، رمضان کے مہینے میں اس کام کے لیے آپ جو وقت استعمال کریں گے وہ ضائع نہیں ہوگا بلکہ اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہو جائے گا، کیا بعید ہے کہ اللہ کے یہاں ہمارے دو میٹھے بول نہ جانے کتنی عبادتوں اور تلاوتوں پر بھاری ہو جائیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے، وہ مسجد میں معتکف تھے، ان کے پاس ایک ضرورت مند آیا، حضرت ابن عباسؓ نے اس سے فرمایا: تم کچھ دکھی نظر آ رہے ہو، کیا بات ہے؟ وہ بولا: اے اللہ کے رسول ﷺ کے چچا کے بیٹے! میرے ذمہ فلاں کا قرض ہے، میں ادا کرنے پر قادر نہیں ہوں اور وہ مجھ سے تقاضا کر رہا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: میں تمہاری کچھ مدد کروں یا اس سے سفارش کر دوں؟ اس نے کہا: آپ جیسا مناسب سمجھیں۔ یہ سن کر حضرت ابن عباسؓ ایک دم سے مسجد کے باہر جانے لگے، اس شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ کے چچا کے بیٹے! آپ تو معتکف ہیں؟! حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے اور مجھے اچھی طرح یاد ہے لیکن کتنی ہی طویل مدت کی عبادتوں سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ آدمی کسی کی حاجت روائی کرے، اس کی ضرورت پوری کرے اور اس کے ساتھ غم گساری کرے، یہ مبارک عمل نہ جانے کتنے سالوں کے اعتکاف سے بہتر ہے۔(۱)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ساری عبادتیں یقیناً اللہ کی رضا کا ذریعہ ہیں اور اس سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ یقیناً ہمیں رمضان کے مبارک اوقات میں زیادہ سے زیادہ اللہ کی بندگی کرنی چاہیے، تاہم اسی کے ساتھ کچھ وقت ایثار و مؤاسات میں بھی

(۱) ملاحظہ ہو: شعب الإيمان للبيهقي، باب في الإعتكاف: ۳۹۶۵

لگانے کی کوشش کرنا چاہیے اور یہ فکر کرنی چاہیے کہ شاید خدمت کا کوئی موقع ہمیں بھی مل جائے، کسی کے ساتھ سلوک کرنے کا کوئی موقع مل جائے، غم گساری کرنے کا کوئی موقع مل جائے، اگر ہمارے سامنے کوئی شخص پریشان بیٹھا ہے تو ہم معلوم کریں کہ کیا بات ہے اور میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں؟ سچی بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ صفت بہت محبوب اور بہت پسند ہے۔

بعض مرتبہ آدمی سوچتا ہے کہ ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں تو ہم کسی دوسرے کے کیا کام آسکتے ہیں، لیکن ہمیں یہ بات معلوم ہونا چاہیے کہ ایک میٹھا بول بول دینا، کسی کی عیادت کرلینا، کسی کے کام آجانا اور وہ جو کام نہیں کرپا رہا ہے، اس کا وہ کام کردینا، یہ ساری چیزیں بھی ایثار ومؤاسات ہی میں شامل ہیں، ایثار ومؤاسات کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی لاکھوں روپئے خرچ کردے، اگر کوئی کم حیثیت والا ہے اور وہ اپنی استطاعت کے مطابق پانچ یا دس روپئے بھی اللہ کی راہ میں خرچ کررہا ہے، یا کسی کو ایک گلاس پانی پلا رہا ہے، یا کوئی اور ضرورت کی چیز دے رہا ہے، یا ایک کھجور ہی کھلا دیتا ہے تو اللہ کے یہاں اس کا اجر دینے میں کوئی کمی نہیں ہوگی، ممکن ہے کہ اس ایک کھجور کا اجر لاکھوں کروڑوں کے برابر دیا جائے۔

حدیث میں بھی اس کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے چندہ کی اپیل کی، ایک صحابی کچھ کھجوریں لے کر حاضر ہوئے تو لوگوں نے ان کے تعاون کو معمولی سمجھا، لیکن آپ ﷺ نے اس کو اتنا پسند فرمایا کہ ان چند کھجوروں کو غلہ کے پورے ڈھیر پر بکھیر دیا، پھر ان صحابیؓ نے یہ بات بتائی کہ اے اللہ کے رسول! میں نے رات بھر مزدوری کی اور اس کے بدلہ مجھے یہ چند کھجوریں ملیں جن کو میں لے کر حاضر ہوا۔

اب ہم غور کریں کہ ان صحابی نے کس دل اور جذبہ سے وہ کھجوریں لاکر پیش کی ہوں گی، اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے اس کو اس قدر پسند فرمایا کہ ان کا وہ چندہ

لوگوں کے بڑے بڑے مالوں پر بھاری ہوگیا۔

اس تفصیل سے پتہ چلا کہ ضروری نہیں کہ آدمی بڑے اسباب ووسائل کی بنا پر ہی کسی کے کام آئے بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق جس طرح بھی ممکن ہو آدمی کو دوسرے کے کام آنا چاہیے۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو جو اعمال سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں، ان میں سے ایک ایثار ومؤاسات کا عمل بھی ہے کہ اللہ کے بندوں کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے اور مصیبت میں ان کا ساتھ دیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ مبارک عمل اللہ کے قرب کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے اور بڑے اجر کی بات ہے، اس لیے کہ اس میں آدمی اپنے آپ کو دباتا ہے، دل پر جبر کرتا ہے، اپنی خواہش کو کچلتا ہے اور نفس کے تقاضوں کو پیچھے کرتا ہے، اسی لیے یہ اللہ کی رضا کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور اپنی اصلاح کا بھی ایک مؤثر ذریعہ ہے، اگر آدمی کا یہ مزاج بن جائے تو یہ ایسا مفید مزاج ہے جو خود اس کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے اور سماج کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے، بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا فائدہ سماج کو تو ہوسکتا ہے اور دوسروں کو بھی ہوسکتا ہے لیکن خود کو اس سے کیا فائدہ؟! حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ سب سے بڑھ کر فائدہ ایثار کرنے والے کو ہے، یہ ایسی صفت ہے کہ اس کے ذریعہ آدمی قرب الٰہی کی وہ منازل طے کرتا ہے جو دوسرے اعمال سے بعض مرتبہ طے نہیں ہوتیں اور یہ معمولی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا قرب عطا فرمائے۔

ایثار کے عمل کو اختیار کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے کہ اس میں نفس کی بہت کچھ اصلاح ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کو جس چیز کی رغبت ہوتی ہے، جس کی طرف وہ لپکنا چاہتا ہے، جس کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ نفس کے تقاضے سے ہوتا ہے، اب جب وہ اس کو کنٹرول کرتا ہے اور یہ کوشش کرتا ہے کہ ہم نفس کے تقاضوں پر نہ چلیں بلکہ یہ دیکھیں کہ اس وقت دین کا کیا تقاضا ہے، جب یہ مزاج بنتا

ہے تو اس سے نفس کنٹرول میں آتا ہے۔ اسی لیے ایثار کی صفت اصلاح نفس کا ایک بہترین ذریعہ ہے لیکن یہ بڑا مشکل کام ہے، جیسا کہ نفس کو کنٹرول میں کرنا مشکل ہے، اسی طرح بعض طبائع کے لیے ایثار بھی ایک مشکل کام ہے۔

ایثار ایسی چیز ہے کہ اگر آدمی اس کا مزاج بنالے تو واقعہ یہ ہے کہ اپنی بھی اصلاح ہوگی اور حالات بھی بہتر ہوں گے۔ آج ہم کو سماج کا جو بگاڑ نظر آرہا ہے، اس کا سب سے بڑا سبب خودغرضی ہے جو ایثار کے بالکل منافی ہے، ہمارا جی یہ چاہتا ہے کہ ہم کو سب خیر حاصل ہو، چاہے وہ دنیا کا ہو یا دین کا ہو، دین کا خیر حاصل ہونا بڑی اچھی بات ہے اور بڑی حد تک طبعی بات ہے لیکن دوسرے کا خیر چھن جائے' یہ اچھی بات نہیں، دنیا کے بارے میں بھی ہمارا تصور صرف یہی ہوتا ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو دین کے بارے میں سوچنے والے خال خال ہیں، یہ کوئی نہیں سوچتا کہ ماشاء اللہ انہوں نے آج دس پارے پڑھے ہیں تو ہم بارہ پارے پڑھیں گے، یہ خیال کسی کو نہیں لیکن یہ خیال سب کو ہوتا ہے کہ اگر انہوں نے پندرہ ہزار کمائے ہیں تو ہم بیس ہزار کما کر دکھادیں گے اور اگر ان کی تنخواہ بیس بائیس ہزار ہے تو ہم ایسی ملازمت ڈھونڈیں گے کہ ہم کو پچاس ہزار مل جائے۔ خودغرضی کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ جب آدمی دیکھتا ہے کسی کے لیے کوئی چیز آرہی ہے تو دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر یہ چیز ہم کو مل جائے تو بہت اچھا ہے اور اس کے لیے آدمی کوشش بھی کرتا ہے، یہاں تک کہ حق تلفی کرتا ہے اور دوسرے کا حق مارتا ہے۔

ایثار و مؤاسات حقیقت میں خودغرضی کی ضد ہے، خودغرضی میں آدمی کو سب کچھ اپنا ہی نظر آتا ہے کہ ہم بیمار ہیں اور ہم پریشان ہیں، انسان صرف اسی چکر میں رہتا ہے کہ ہماری ضرورت پوری ہو، چاہے وہ امیر ہو یا غریب، غریب یہ سمجھتا ہے کہ جو ملنا ہے وہ ہمیں ملے، ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں اور امیر یہ سوچتا ہے کہ جو کچھ آرہا ہے، وہ

زیادہ سے زیادہ ہمارے پاس آئے، ظاہر ہے یہی تصور خودغرضی ہے لیکن مؤاسات یعنی غم خواری یہ ہے کہ آدمی امیر ہو یا غریب، جب وہ کسی ضرورت مند کو دیکھے، کمزور کو دیکھے، یا بوڑھے کو دیکھے تو اس کے دل کے اندر ایک درد پیدا ہو کہ ہم اس کے کام آجائیں، اس لیے کہ یہ بے چارہ ضرورت مند ہے، یا اگر کبھی کسی کے یہاں کوئی حادثہ پیش آگیا، یا کوئی پریشانی میں پڑ گیا، اس وقت آپ سوچیں کہ یہ تو بہت بے وقت حادثہ ہوگیا، اس وقت کون جائے، ابھی نیند آرہی ہے تو یہ ایک طرح کی خودغرضی ہے لیکن آپ نے سوچا کہ وہ اس وقت ضرورت مند ہے، اس کے پاس جانا چاہیے اور آپ وہاں گئے، آپ نے تسلی کے کلمات کہہ دیے تو اس کا نام مؤاسات ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

"مَنْ عَزَّى ثَكْلىٰ كُسِيَ بُرْداً فِي الْجَنَّةِ." (۱)

(جو ایسی عورت کو جا کر تسلی دے جس کے بچے کا انتقال ہوگیا ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جنت کا لباس پہنائے گا۔)

ظاہر ہے جنت کا لباس پہنانے سے' جنت میں داخل کرنا مراد ہے، معلوم ہوا کسی دکھی کو جا کر تسلی دے دینا مؤاسات میں شامل ہے۔

اگر ایثار و مؤاسات ہمارا مزاج بن جائے تو یہ اس وقت کی ایک بڑی ضرورت ہے، اس وقت ہمیں سماج کا جو بگاڑ نظر آرہا ہے، جس کو دور کرنے کے لیے محنتیں ہو رہی ہیں، لٹریچر چھپ رہا ہے اور تقریریں ہو رہی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ اگر ہمارا مزاج ایثار و مؤاسات کے سانچے میں ڈھل جائے تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، آج آدمی جہیز کا مطالبہ خودغرضی کی وجہ ہی سے کر رہا ہے، اگر اس کے مزاج میں ایثار ہوتا تو وہ جہیز کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ وہ یہ کہتا کہ میں خود دینے کو تیار ہوں، آپ غریب ہیں، آپ فکر نہ کریں، آپ بس اپنی بچی کو رخصت کر دیں، ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔ اس سلسلہ میں ایثار کرنے والوں نے ایسے ایثار

(۱) سنن الترمذی، کتاب الجنائز، باب آخر فی فضل التعزیة: ۱۰۹۷

کیے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔

سید التابعین حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب وغریب واقعہ ہے، ان کے ایک شاگرد کی اہلیہ کا انتقال ہوگیا جس کی وجہ سے وہ درس میں نہیں آسکے، جب آئندہ دن حاضری ہوئی تو شیخ نے پوچھا: کیا بات ہوئی، کل غیر حاضری کا کیا سبب تھا؟ شاگرد نے بتایا کہ میری اہلیہ بیمار تھیں، کچھ ہی دن قبل میری شادی ہوئی تھی اور ان کا انتقال ہوگیا۔ اس حادثہ پر ان کو بہت صدمہ ہوا، شیخ نے شاگرد کو تسلی دی اور کہا: تم پریشان نہ ہو، اللہ تمہیں اس کا بہتر بدل عطا فرمائے گا، چند دن گزرے تھے کہ شیخ نے فرمایا: اب تم دوسری شادی کرلو، شاگرد نے کہا: میں غریب آدمی ہوں، مجھ سے کون شادی کرے گا اور میں کہاں سے انتظام کروں گا، ایک شادی تو بڑی مشکل سے ہوئی تھی، شیخ نے کہا: انشاء اللہ انتظام بھی ہوجائے گا۔ چند دن بعد شیخ نے فرمایا: میری بیٹی موجود ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم سے اس کی شادی کردوں۔ وہ کہنے لگے: حضرت! میں اس قابل کہاں؟! ظاہر ہے وہ عالی خاندان سے تھے، علم کا پہاڑ تھے، سید التابعین تھے، اللہ نے ساری دولت دے رکھی تھی اور یہ شاگرد ایک معمولی خاندان سے تھے اور ابھی طالب علم ہی تھے، اس لیے ان کو حیرت وتعجب بھی ہوا اور یقیناً دلی خوشی بھی ہوئی ہوگی مگر ان کی سمجھ میں بات نہ آئی، اس لیے کہنے لگے: میں اس قابل کہاں؟! شیخ نے فرمایا: ایسا کچھ نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ اسی مجلس میں نکاح ہوجائے، شاگرد نے کہا: میں پہلے اپنی والدہ سے پوچھ لوں، جب والدہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا: ہم پہلے کچھ انتظام کرلیں اور اپنا گھر ٹھیک کرلیں، اس کے بعد یہ عقد کرلیں گے، شیخ نے کہا: ایسا کرو کہ عقد ابھی کرلو اور رخصتی بعد میں ہوجائے گی، غرض کہ عقد ہوگیا اور یہ سوچا کہ چار پانچ دن کے بعد گھر تیار ہوجائے گا تو رخصتی بھی ہوجائے گی لیکن جب وہ شاگرد رات کو گھر گئے اور بستر پر دراز ہونے لگے تو کسی نے ان کے دروازہ پر دستک دی، انہوں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ حضرت سعید بن مسیّب موجود

ہیں، شاگرد نے کہا: حضرت! آپ اس وقت یہاں کیسے؟ شیخ نے فرمایا: مجھے خیال آیا کہ تمہارا نکاح ہو چکا ہے، اب تم رات میں کیوں تنہا رہو، اس لیے میں اپنی بیٹی لے آیا ہوں، تم اس کو اندر لے جاؤ اور دونوں ایک ساتھ رہو۔

حاصل یہ کہ اگر رمضان المبارک میں نیک کاموں کی طرف توجہ کی جائے، ایثار ومؤاسات کا مزاج بنانے کی کوشش ہو اور ایسے کاموں میں بڑھ چڑھ کر آدمی حصہ لے تو یقیناً اس کا رمضان بڑا مبارک ہوگا اور اللہ کے یہاں وہ کئی گنا اجر کا مستحق ہوگا۔

رمضان المبارک اور دعا

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین وعلیٰ من تبعھم بإحسان ودعا بدعوتھم إلیٰ یوم الدین أما بعد! فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَإِنِّیْ قَرِیْبٌ أُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْن﴾ صدق اللّٰہ العظیم.

میرے محترم بھائیو اور بزرگو!

رمضان المبارک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتوں کا خصوصیت کے ساتھ نزول ہوتا ہے، یہ مہینہ قرآن مجید اور نیک اعمال سے ایک خاص مناسبت رکھتا ہے، ''دعا'' سے بھی اس مہینے کا ایک خاص تعلق ہے۔ میں نے آپ کے سامنے خطبے میں جو آیت تلاوت کی وہ دعا ہی سے متعلق ہے اور آپ جانتے ہیں کہ یہ آیت رمضان اور روزوں سے متعلق آیات کے درمیان میں نازل ہوئی ہے، اس آیت سے پہلے رمضان اور روزوں کا ذکر ہے اور اس کے بعد بھی روزوں کے احکامات بیان ہوئے ہیں لیکن بیچ میں یہ آیت شریفہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں دعا کا جو نسخہ دیا ہے، یہ انتہائی قیمتی ہے، لیکن لوگ

اس نسخے کی اہمیت ومعنویت سے واقف نہیں، ہماری دعائیں تو بس یہ ہیں کہ کسی بھی نماز کے بعد یا کسی دوسرے وقت میں چند یاد کی ہوئی دعائیں زبان سے دہرا لیتے ہیں، یا اردو میں دعا کر لیتے ہیں، تاہم اللہ ایسا کریم ومہربان ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے بندوں کو نوازتا ہے، لیکن ایک دعا وہ تھی جو دعا تھی اور دعا ہے اور دعا رہے گی اور وہ دعا وہ ہے جو اللہ کے نبیوں نے کی، حضرات صحابہؓ نے کی، اولیاء نے کی، یہ وہ دعائیں تھیں جو آسمانوں میں جاتی تھیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں سے قبولیت کا شرف پا کر آتی تھیں، ظاہر ہے ان دعاؤں کی بات ہی کچھ اور تھی۔

اس وقت دنیا میں جو حالات ہیں اور خاص طور پر اس ملک کے جو حالات ہیں، ان میں ہر شخص یہی سوال کرتا ہے کہ اب کیا کیا جائے اور اب کیا ہوگا؟

آپ یاد رکھیں! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں دو چیزوں کا مکلّف کیا ہے، ایک یہ کہ جو کچھ ہمارے بس میں ہو، جو وسائل ہم اختیار کر سکتے ہوں، ان کو ہمیں اختیار کرنا چاہیے، ہمیں اس کا شرعاً حکم ہے۔ دوسری چیز یہ کہ دعا کو ایک مؤثر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے، واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اسی طرح فتح دیتا ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم اپنی دعاؤں میں تاثیر پیدا کرنے کی کوشش کریں لیکن اس کے لیے احادیث میں بیان کی گئی ہدایات کا علم ہونا ضروری ہے، ایک حدیث میں ہے:

"يُمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ." (۱)

(آدمی آسمان کی طرف اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے میرے رب! اے میرے رب! جب کہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا پہننا حرام اور اس کی پرورش بھی حرام ہی سے ہوئی ہے تو پھر اس کی دعا کیسے قبول ہو؟)

(۱) صحيح مسلم، كتاب الزكوٰة، باب قبول الصدقة من الكسب: ۲۳۹۳

آج کے ان حالات میں لوگ کیسی غیر معمولی دعائیں کرتے ہیں لیکن دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ بظاہر وہ دعائیں قبول نہیں ہوئیں، اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ جو اپنے حالات پر توجہ نہ دے اور اپنے معاملات کو درست کرنے کی فکر نہ کرے، اس کی دعا کا قبول ہونا مشکل ہے، اسلام میں اپنی زندگی جی لینے کا کوئی تصور نہیں، اسلام ہمیں یہ نہیں سکھاتا کہ ہم صرف اپنی زندگی جی لیں، ہم نماز پڑھ لیں اور روزہ رکھ لیں پھر ہم فارغ ہوگئے، یاد رکھئے! اگر ہمارے اندر امت کی فکر نہیں ہے تو یہ ہمارے ایمان کی ایک بڑی کمزوری ہے، آپ ﷺ نے یہاں تک فرمادیا کہ

"مَنْ لَمْ يَهْتَمَّ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ."(۱)

(جو آدمی مسلمانوں کے معاملہ کی فکر نہ کرے اس کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔)

ایک حدیث میں مسلمانوں کی وحدت واجتماعیت کی یہ مثال بیان کی گئی ہے کہ

"تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى."(۲)

(تم مؤمنوں کو آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے، محبت رکھنے اور باہمی ہمدردی میں ایک جسم کی مانند پاؤ گے، اگر اس کا کوئی ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم اس کے لیے بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہوجاتا ہے۔)

بلاشبہ یہ ایک بلیغ مثال ہے، جسم کے ایک عضو کی تکلیف سے پورا جسم متاثر ہوتا ہے اور بے خوابی اور بے چینی کی شکل میں اس کا اثر نظر آتا ہے، جب تکلیف کی شدت پیدا ہوتی ہے تو آدمی بے قابو ہوجاتا ہے اور اس کو بخار آجاتا ہے اور وہ اپنا علاج کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ ہمارے آقا حضرت محمد عربی ﷺ نے اس مثال کے ذریعہ یہ سمجھادیا

(۱)المعجم الأوسط للطبرانی: ۷۴۷۳

(۲)صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم: ۶۰۱۱

کہ پوری امت بھی ایک جسم کی طرح ہے، یہ سوچ لینا کہ فلاں جگہ مسلمان پریشان حال ہیں تو اس سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں، اگر خدانخواستہ ایسی کوئی بات ہمارے ذہن ودماغ میں آتی ہے تو ہمارا ایمان خطرہ میں ہے، ہمیں پوری امت کی فکر کرنی ہے۔

امت کی فکر کا مطلب یہ ہے کہ ہم سے جو کچھ ہوسکتا ہے وہ ہمیں کرنا ہے، اگر ہم مدد کرسکتے ہیں تو مدد کریں، یا اگر کچھ تیاری کرسکتے ہیں تو وہ کریں پھر سب سے بڑھ کر اللہ نے دعا کا جو ہتھیار ہم کو دیا ہے جو ہر موقع پر اور ہر جگہ کام آتا ہے، اس کو ضرور اختیار کریں، اسلامی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بعض مرتبہ دعا کے ذریعہ قوموں کی تقدیر بدل گئی ہے۔

غزوۂ بدر کا واقعہ اس کی سب سے بہترین مثال ہے، اس میں آپ ﷺ کا حال یہ تھا کہ اللہ کی طرف توجہ، تضرع، گریہ وزاری اور دعا کی وہ کیفیت تھی، لگتا تھا کہ کوئی واقعہ پیش نہ آجائے، اس وقت دعا میں آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات نکلے کہ

"اَللّٰهُمَّ إِنْ تَهْلِكْ هَذِهِ الْعِصَابَةُ مِنْ أَهْلِ الإِسْلَامِ لاَ تُعْبَدْ فِي الأَرْضِ."(۱)

(اے اللہ! اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری بندگی کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔)

اللہ نے آپ ﷺ کی یہ دعا قبول فرمائی اور غزوۂ بدر کو ایک فیصلہ کن معرکہ بنا دیا، اس کے ذریعہ اللہ نے اہل شرک وکفر کی کمر توڑ دی اور اس کے بعد سارے راستے کھول دیئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا غیر معمولی چیز ہے۔

آپ ﷺ کے سفر طائف کی دعا بڑی مشہور ہے، اس وقت بڑی کسمپرسی کا عالم تھا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوچکی تھی، ابوطالب کا انتقال ہوگیا تھا، ان حضرات سے بڑی امیدیں تھیں، ان کی بڑی پشت پناہی تھی اور ان سے بڑی قوت

(۱) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب الإمداد بالملائكة: ٤٦٨٧

حاصل تھی لیکن اب ظاہر میں کوئی نہ تھا، اسی لیے اللہ نے یہ دکھایا کہ اصل کرنے والی ذات اسی کی ہے، آپ ﷺ طائف اس امید میں تشریف لے گئے کہ شاید اللہ وہاں کے لوگوں کو ہدایت دے دے اور اس سے ایمان والوں کو تقویت ہو، لیکن وہاں معاملہ بالکل الٹ گیا اور وہاں کے لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ جو بدترین سلوک کیا وہ تاریخ کی ایک مثال ہے، اس وقت آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے جو دعا ادا فرمائی وہ بڑی اہم ہے اور بلاشبہ وہ ایسی دعا ہے کہ واقعۃً کلیجہ منھ کو آجائے، فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُوْ ضَعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَىٰ النَّاسِ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ! أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَأَنْتَ رَبِّيْ، إِلَىٰ مَنْ تَكِلُنِيْ؟ إِلَىٰ بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ؟ أَمْ إِلَىٰ عَدُوٍّ مَلَّكْتَهُ أَمْرِيْ؟ إِنْ لَمْ يَكُنْ بِكَ غَضَبٌ عَلَيَّ فَلَا أُبَالِيْ وَلَكِنَّ عَافِيَتَكَ هِيَ أَوْسَعُ لِيْ، أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مِنْ أَنْ يَنْزِلَ بِيْ غَضَبُكَ أَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ، لَكَ الْعُتْبَىٰ حَتَّى تَرْضَى، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ."(۱)

(الٰہی! اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں میں تحقیر کے بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، درماندہ اور عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے، مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے، کیا بے گانہ ترش رُو کے؟ یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی پرواہ نہیں لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے، میں تیری ذات کے نور سے پناہ چاہتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہوجاتی ہیں اور دنیا و دین کے کام

(۱) زادالمعاد: ۳/۳۱

اس سے ٹھیک ہوجاتے ہیں کہ تیرا غضب مجھ پر اترے یا تیری نارضامندی مجھ پر وارد ہو، مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔)(۱)

دعا کے ان الفاظ میں ایک طرف پوری طرح توکل ہے اور دوسری طرف اللہ کی احتیاج کا اظہار ہے اور اس کی مدد و نصرت کی ضرورت کا بیان ہے۔ آج کے موجودہ حالات کو سامنے رکھ کر اس دعا پر غور کیجیے کہ اس وقت مسلمان جس کسمپرسی کے عالم میں ہیں، اس وقت ہم جو کچھ بھی کر سکتے ہیں، وہ کرنا چاہیے اور ظاہر ہے ان حالات میں ہمارے پاس سب سے بڑھ کر دعا ہی کا ہتھیار ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ اگر آپ مسلمانوں کا جائزہ لیں تو آپ کو دو چار فیصد مسلمان بھی وہ نہیں ملیں گے جو اللہ سے دل کے پورے درد کے ساتھ اور دل کی بے چینی کے ساتھ دعا کرتے ہوں یا دو رکعت صلوٰۃ الحاجہ پڑھ کر اللہ سے دعا مانگتے ہوں اور روتے ہوں کہ اے اللہ! یہ تیرے محبوب ﷺ کی امت ہے، اس پر تو اپنا فضل فرما۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو دعا کے اس ہتھیار کا استعمال کرتے ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دعا کی شکل میں اہل ایمان کو ایک اعلیٰ تحفہ عطا فرمایا ہے، لیکن ہمارے سامنے ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہم دعا کرنے کے لائق نہیں ہیں، اگر آپ غور کریں تو ہمارے کاروبار کے طریقے اور ہمارے ذرائع آمدنی، ہمارے آپس کے روابط و معاملات، ہمارے گھروں میں وراثت کی غیر شرعی تقسیم، پھر سود اور جوئے کی مختلف شکلیں ایسی ہیں کہ اس کے بعد کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ہمارا مال ہر طرح کے حرام مال اور حرام کمائی سے پاک ہے، سچ تو یہ ہے کہ پیشاب کی طرح نجاست و غلاظت ہمارے مال میں سرایت کرگئی ہے اور اس نے ہمارے پورے مال کو نجس کر رکھا ہے

(۱) ترجمہ از؛ نبی رحمت: ۱۲۷

جس کا نتیجہ ہمیں قیامت میں بھگتنا ہوگا، حدیث میں آتا ہے کہ

"مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحَ مِنْ نَارٍ فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوَى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِينُهُ وَظَهْرُهُ كُلَّمَا بَرَدَتْ أُعِيدَتْ لَهُ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى يُقْضَى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيُرَى سَبِيلُهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ."(۱)

(جو شخص سونا یا چاندی رکھتا ہو اور اس کا حق (زکوٰۃ) ادا نہ کرتا ہو تو قیامت کے دن اس کے لیے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی پھر انہیں جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور انہی سے اس کی کروٹوں، پیشانی اور پیٹھ کو داغا جائے گا، جب وہ ٹھنڈی ہو جائیں گی تو دوبارہ گرم کر دی جائیں گی، یہ سلسلہ ایسے دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی، یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا، یا تو جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔)

اب ہم غور کریں کہ ہمارے درمیان کتنے لوگ ایسے ہیں جو صحیح طریقہ پر پورا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کرتے ہیں پھر خود ہی سوچیں کہ اگر ایسا نہیں ہے تو ہماری دعائیں کیسے قبول ہو سکتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج ہم دعائیں کرتے ہیں لیکن وہ رد ہو جاتی ہیں، اس لیے ہمیں بنیادی طور پر اپنے مالوں کو پاک وصاف کرنے کی کوشش کرنا چاہیے، ہم اپنا حساب لگائیں، اپنا کاروبار دیکھیں، اپنی ملازمت کو دیکھیں کہ کہیں ہم کام چوری تو نہیں کرتے، اگر ایسا ہے تو کہیں نہ کہیں ہمارے حلال پیسوں میں حرام کی آمیزش ہو رہی ہے، اسی طرح جو لوگ کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں، وہ بھی غور کریں کہ

(۱) صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة: ۲۳۳۷

کیا وہ عشر وغیرہ ادا کرتے ہیں، پھر وراثت کی تقسیم کا مسئلہ تو بہت نازک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اندر حرام کمائی کی مختلف شکلیں پائی جاتی ہیں اور ہمارا مال پاک وطیب نہیں ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتی ہیں۔

حاصل یہ کہ ہمیں اللہ کی بارگاہ میں مانگنا ہے، اللہ نے دعا کی شکل میں ہم کو ایک ہتھیار دیا ہے، ہماری عزت کے لیے، فلاح وکامیابی کے لیے اللہ نے ہم کو ایک موقع دیا ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم نے خود کو اس کا اہل نہیں بنایا، آج اس کی بڑی ضرورت ہے کہ ہم دعا کے آداب معلوم کریں، ہم اپنے آپ کو حرام مال سے بچانے کی کوشش کریں اور خدانخواستہ اگر ہمارے مال میں حرام مال شامل ہے، اگر ہم نے خدانخواستہ وراثت کی تقسیم شریعت کے مطابق نہیں کی، اپنی بہن کو اور اپنے بھائی کو حق نہیں دیا، یا کسی اور حق والے کا حق نہیں دیا تو طے کر لیجیے کہ انشاء اللہ ہمیں وہ حق دینا ہے اور ہر حال میں یہ کوشش کرنا ہے کہ ہمارے مال میں کوئی مشتبہ اور حرام مال شامل نہ ہو، اس کے بعد جب ہم اللہ کی بارگاہ میں دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ دعا کو ضرور سنے گا۔

میں نے آپ کے سامنے خطبے میں جو آیت پڑھی اس میں ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾ (البقرة: ١٨٦)

(اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں تو قریب ہی ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار میں سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے تو ان کو بھی چاہیے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر یقین رکھیں تاکہ وہ سعادت سے ہم کنار ہوں۔)

قرآن میں ایک دوسری جگہ اللہ بندوں سے اپنے قرب کا یوں اظہار کرتا ہے:

﴿نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (ق: ١٦)

(ہم رگِ جاں سے زیادہ اس سے قریب ہیں۔)

بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس معیت اور اللہ کے اس قرب سے ہم خود ہی واقف نہیں، نہ ہم اس کی حقیقت سے واقف ہیں اور نہ اس کی حلاوت سے، اس لیے کہ ہماری زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکموں سے ہٹی ہوئی ہے۔

ہم یہ طے کریں کہ سب سے پہلے ہم اپنے آپ کو دعا کے قابل بنائیں گے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم حلال وحرام کے درمیان فرق کریں گے، حرام مال کے ایک حبہ سے بھی خود کو بچائیں گے، اگر پانی میں گندگی کا ایک قطرہ بھی چلا جائے تو وہ نجس ہوجاتا ہے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حرام مال آنے کے بعد اس میں سے ایک حصہ صدقہ دے کر بقیہ مال پاک ہوجائے گا، ظاہر ہے یہ تصور ہی غلط ہے۔

اگر ہم رمضان میں یہ معمول بنائیں کہ ہمیں روزانہ دو رکعت صلوٰۃ الحاجہ پڑھ کر امت کے حق میں دعا مانگنے کا اہتمام کرنا ہے تو یہ بڑا مبارک عمل ہوگا، ہم ان لوگوں کے لیے دعا کریں جو مظلوم ومقہور ہیں اور پریشان حال ہیں، ہم اللہ سے دعا کریں کہ اے اللہ! تو اپنا خاص فضل وکرم فرما، ہم نہتے ہیں، ہمارے پاس وسائل نہیں ہیں لیکن اے اللہ! تیری طاقت سب سے بڑھ کر ہے اور تیرے فیصلے بھی سب سے بڑھ کر ہیں، اگر تو ارادہ فرمالے تو سارے کام آسان ہوجائیں گے۔

تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں کہ اللہ کے نیک بندوں کی دعاؤں سے کیسی مصیبتیں ٹلی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے جو برگزیدہ بندے صاحب دعا ہوتے ہیں، وہ جب تک اس دنیا میں رہتے ہیں تو ان کا وجود باعث خیر وبرکت ہوتا ہے، ان کے وجود سے بلائیں ٹلتی ہیں اور جب وہ دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں تو بعض مرتبہ بڑے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے خاص بندوں کی دعائے نیم شبی اور ان کی آہ سحر خیزی پوری ملت اسلامیہ کو ایک ایسی طاقت سپلائی کرتی تھی جس سے

بہت سے فتنے تھمے ہوئے تھے اور حالات بہتر تھے، لیکن ان کے بعد اب ہمارے اوپر یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی زندگی کو بہتر بنائیں، ہم کوشش کریں اور طے کریں کہ انشاء اللہ ہمیں اولیاء اللہ کی زندگی اختیار کرنی ہے، ہمیں اپنے آپ پر محنت کرنی ہے، اگر ہم نے یہ کوشش کی تو اللہ ہمیں بھی یہ مقام دے گا اور ممکن ہے کہ ہماری دعاؤں کے نتیجہ میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ بلاؤں کو دور فرمادے۔

دعا اللہ کی طرف سے ایک نعمت اور تحفہ ہے اور ایک ایسا ہتھیار ہے کہ آدمی جب چاہے اس کو استعمال کرلے، حدیث میں ہے:

"اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ."(۱) (دعا مؤمن کا ہتھیار ہے۔)

دعا کے لے شرط یہ ہے کہ ہمیں اس کے استعمال کا طریقہ معلوم ہو، اگر کسی کے پاس کوئی بندوق ہے اور وہ اس کو چلانا نہیں جانتا تو اس کا کوئی فائدہ نہیں، سچی بات یہ ہے کہ دعا ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے سامنے بندوق یا ایٹم بم کی بھی کوئی حیثیت نہیں، دعا وہ چیز ہے جو بعض مرتبہ ایٹم بم کو بھی ناکارہ کردیتی ہے، یہ دعا وہ چیز ہے جو بعض مرتبہ تمام چالوں کو ناکام بنادیتی ہے، یہ دعا وہ چیز ہے جو بعض مرتبہ ذرہ کو بھی آفتاب بنادیتی ہے اور چیونٹی کو شیروں کی طاقت دیتی ہے، حدیث میں ہے:

"لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى مِنَ الدُّعَاءِ."(۲)

(اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی چیز عزت والی نہیں۔)

ضرورت ہے کہ ہم اس کا اہتمام کریں اور اس کے آداب کا خیال کریں۔ دعا سے قبل بہتر ہے کہ آدمی دو رکعت نفل نماز ادا کرلے پھر اللہ سے مانگے، امید ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ بہت کچھ عطا فرمائے گا۔

---

(۱) المستدرك للحاكم، كتاب الدعاء والتكبير: ۱۸۱۲

(۲) سنن الترمذی، كتاب الدعوات، باب ما جاء فی فضل الدعاء: ۳۶۹۶

بڑے افسوس کی بات ہے کہ رمضان کی مبارک راتوں اور دنوں میں ہم اپنا پورا وقت سونے میں ہی گذار دیں یا صرف کھانے پینے کا اہتمام کرنے میں ہی لگے رہیں، اگر ان مبارک ایام میں بھی کوئی آدمی تہجد کی نماز ادا نہ کر سکے تو اس سے بڑھ کر محروم کون ہوگا؟ رمضان میں اللہ کی طرف سے خزانے گویا لٹتے ہیں اور دولتیں تقسیم ہوتی ہیں، اگر اس موقع پر آدمی محروم رہ جائے اور وہ سوتا رہے تو اس سے بڑا محروم کوئی نہیں، ہم کوشش کریں کہ ان راتوں میں جاگیں، اللہ سے مانگیں، نمازوں کا اہتمام کریں، تلاوت کا اہتمام کریں، ذکر کا اہتمام کریں اور خیر کے کاموں میں لگیں۔

رمضان کے مبارک ایام میں اللہ کی طرف سے مینھ کی طرح رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، اگر ہم ان دنوں میں دعاؤں کا اہتمام کرلیں، اپنے لیے اور امت کے لیے دعائیں کریں تو اس سے انشاء اللہ ہمارے ایمان میں اضافہ ہوگا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت بھی متوجہ ہوگی۔

اسی ماہِ مبارک کے آخری عشرہ میں شب قدر بھی ہے جس کو تلاش کرنا چاہیے، آدمی اس کو پانے کی کوشش کرے اور پوری رات سونے میں نہ گذارے بلکہ کچھ حصہ سوئے پھر عبادت میں لگ جائے اور وہ لوگ جن کو اللہ نے صحت وقوت کی دولت سے نوازا ہے، ان کو ان راتوں میں مزید محنت کرنا چاہیے۔

اخیر عشرہ میں سرور کائنات نبی اکرم ﷺ کے متعلق آتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

"إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهُ، وَأَحْيَا لَيْلَهُ."(۱)

(جب آخری عشرہ کا آغاز ہوتا تو آپ ﷺ اپنی لنگی مضبوط باندھ لیتے اور رات بھر جاگنے کا اہتمام فرماتے۔)

(۱) صحيح البخاری، كتاب فضل ليلة القدر، باب العمل فی العشر الأواخر: ۲۰۲٤

لنگی مضبوط باندھ لینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے بستر مبارک کی جانب رخ نہیں فرماتے تھے بلکہ پوری پوری رات جاگ کر عبادت کرنے میں گذارتے تھے۔اسی طرح اخیر دور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ رمضان میں بڑے مستعد رہتے تھے، پوری پوری رات جاگتے تھے اور غالبًا ایک ہی دن میں قرآن مجید بھی مکمل کر لیتے تھے۔

ہم سب کو بھی چاہیے کہ اپنی صحت وطاقت کے لحاظ سے ان ایام میں عبادت کی کوشش کریں اور دعاؤں کا اہتمام کریں، انشاءاللہ یہ مہینہ ہم سب کے لیے خیر وبرکت کا ذریعہ ہوگا اور جب یہ مبارک مہینہ ہم سے رخصت ہوگا تو ہم سے راضی ہوکر جائے گا اور اگر خدانخواستہ یہ ہم سے ناراض ہوکر گیا تو ایسے شخص کے لیے رسول اکرم ﷺ کی بڑی خطرناک بددعا ہے، ارشادِ نبویؐ ہے:

"رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُغْفَرَ لَهُ."(۱)

(اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس پر رمضان آیا پھر وہ مہینہ گذر گیا اور اس کے گناہ معاف نہ ہوئے۔)

اللہ تعالیٰ نے اس مبارک مہینے کو ایسا بنایا ہے کہ اس میں بہت سے اوقات دعا کی قبولیت کے ہیں، ان میں سب سے اہم وقت افطار سے پہلے کا ہے، حدیث میں ہے:

"ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: الإِمَامُ الْعَادِلُ وَالصَّائِمُ حَتَّى يُفْطِرَ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ."(۲)

(تین لوگوں کی دعا رد نہیں کی جاتی: انصاف پسند امیر کی دعا، روزہ دار کی دعا افطار کے وقت تک اور مظلوم کی دعا۔)

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب...: ۳۸۹۰

(۲) سنن ابن ماجة، کتاب الصیام، باب فی الصائم لا ترد دعوته: ۱۸۲٤

افطار کے وقت عموماً لوگ دعا کا اہتمام نہیں کرتے اور کھانے پینے کے انتظام یا باتوں میں لگ جاتے ہیں، افطار کے موقع پر اگر سب لوگ ایک ساتھ دسترخوان پر بیٹھے ہیں اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مشکل ہے تو کم از کم دل ہی دل میں دعا کرنا چاہیے۔

اسی طرح تہجد کا وقت ہے جو عام دنوں میں بھی دعا کی قبولیت کا وقت ہے لیکن رمضان میں خصوصی دعا کی قبولیت کا وقت ہے، اس وقت یہ اعلان ہوتا ہے:

"هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُعْطَى هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهُ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُ لَهُ."(۱)

(کیا کوئی مانگنے والا ہے کہ اسے دیا جائے؟ کیا کوئی دعا کرنے والا ہے کہ اس کی دعا قبول کی جائے؟ کیا کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ اسے بخش دیا جائے؟)

ہم تصور کریں کہ اگر ہمارے دروازے پر کوئی آدمی آکر دستک دے اور کہے کہ ایک بڑی رقم تمہیں ملنے والی ہے تو ظاہر ہے انسان اس لالچ میں فوراً مستعد ہو جائے گا اور جلدی سے رقم حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے براہِ راست یہ آواز اپنے کانوں سے سنی لیکن افسوس کہ اللہ کے نبی ﷺ کی مبارک آواز ہمارے دلوں سے نہیں ٹکراتی، اس میں شبہ نہیں کہ ان کی باتوں پر ہمارا ایمان ہے اور یہ بھی ایک بڑی نعمت ہے لیکن ماننے کے ساتھ جب یقین کی دولت بھی حاصل ہو جائے گی تو اس پر عمل کرنا بڑا آسان ہو جائے گا۔

دعا کے ذریعہ آدمی کی حاجات پوری ہوتی ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ آدمی دعا کرتا ہے پھر اللہ مناسب سمجھتا ہے تو وہ چیز اس کو عطا کر دیتا ہے اور اگر مناسب نہیں سمجھتا تو عطا نہیں کرتا بلکہ اس کا بدلہ کسی دوسری شکل میں دے دیتا ہے، حدیث میں ہے:

"مَا عَلَى الأَرْضِ مُسْلِمٌ يَدْعُو اللَّهَ بِدَعْوَةٍ إِلَّا آتَاهُ اللَّهُ إِيَّاهَا أَوْ

(۱) صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الترغيب فى الدعاء: ۱۸۱۰

صَرَفَ عَنْهُ مِنَ السُّوءِ مِثْلَهَا مَا لَمْ يَدْعُ بِمَأْثَمٍ أَوْ قَطِيعَةِ رَحِمٍ."(۱)

(روئے زمین پر کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں جو اللہ سے کوئی دعا کرے مگر یہ کہ اللہ اسے وہ دعا عطا فرما دیتا ہے یا اس کے بدلہ اسی کے برابر کوئی برائی اس سے ٹال دیتا ہے بشرطیکہ وہ دعا کسی گناہ یا رشتہ توڑنے کے بارے میں نہ ہو۔)

بعض مرتبہ ایسی بھی ہوتا ہے کہ بہ ظاہر بندہ کو لگتا ہے کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوئی، تاہم قیامت میں جب بندہ دربار الٰہی میں حاضر ہوگا تو اس کے سامنے دعاؤں کی ایک فہرست کھولی جائے گی اور کہا جائے گا کہ آج تجھے ان دعاؤں کا بھرپور بدلہ دیا جائے گا، جب بندہ وہ اجر دیکھے گا تو یہ تمنا کرے گا کہ

"يَا لَيْتَهُ لَمْ يَكُنْ عُجِّلَ لَهُ فِي شَيْءٍ مِنْ دُعَائِهِ."(۲)

(کاش! اس کے لیے اس کی کسی بھی دعا میں جلدی نہ کی گئی ہوتی (یعنی دنیا میں کوئی دعا فوراً قبول نہ ہوئی ہوتی۔)

معلوم ہوا دعا ہر حال میں نعمت ہے، اگر قبول ہو جائے تو نعمت اور اگر قبول نہ ہو تب بھی نعمت، دعا کے نتیجہ میں کبھی بندہ کو نواز دیا جاتا ہے، کبھی کوئی مصیبت ٹال دی جاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دنیا میں کچھ نہیں ملتا لیکن اس کا بدلہ وہاں ملے گا جہاں سب سے بڑھ کر ضرورت ہوگی، قیامت میں ہر آدمی کا حال یہ ہوگا کہ وہ پائی پائی کا محتاج ہوگا اور کوئی دینے کے لیے تیار نہ ہوگا، وہاں صرف ہمارے نیک اعمال ہی کام آسکتے ہیں، اس لیے زیادہ سے زیادہ دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیے۔

دعا کے لیے یہ شرط نہیں کہ آدمی ہر وقت ہاتھ اٹھا کر ہی دعا کرے اور اگر ہاتھ اٹھائے بھی تو آداب کا خیال رکھے، آدمی جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو سینے سے اوپر

(۱) الترمذی، کتاب الدعوات، باب فی انتظار الفرج وغیر ذلك: ۳۹۲۲

(۲) المستدرك للحاكم، كتاب الدعاء والتكبير: ۱۸۱۹

ہاتھ نہ جائیں، بعض لوگ دعا کرتے وقت اپنا منہ چھپا لیتے ہیں، یہ چیز مناسب نہیں، تاہم اگر کبھی رونا آجائے اور آدمی اپنا منہ چھپالے تو کوئی حرج نہیں لیکن عام دعا میں ہاتھوں کو سینے تک ہی اٹھانا چاہیے، اس کے علاوہ استسقاء کی دعا کا بالکل الگ طریقہ منقول ہے کہ اس میں آدمی اوپر کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے، حدیث میں ہے:

"كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنَ الدُّعَاءِ إِلَّا فِي الِاسْتِسْقَاءِ فَإِنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُرَى بَيَاضُ إِبْطَيْهِ."(۱)

(رسول اللہ ﷺ دعا کے کسی بھی موقع پر اپنے ہاتھ اوپر تک نہیں اٹھاتے تھے، سوائے بارش کی دعا (استسقاء) کے، اس میں آپ ﷺ اپنے ہاتھ اتنے بلند اٹھاتے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔)

حاصل یہ کہ ہمیں رمضان المبارک کی بھرپور قدر کرنا چاہیے اور اس کے ایک ایک منٹ کی قیمت کو وصول کرنا چاہیے، حضرت مجدد صاحبؒ نے یہ بات لکھی ہے کہ اگر کسی کا رمضان اچھا گذرا تو اس کا پورا سال اچھا گذرے گا، اس لیے ہم کوشش کریں، یکسوئی حاصل کریں، لغویات سے بچیں اور بے ضرورت تفکرات میں نہ پڑیں، بس یہ کوشش کریں کہ ہمیں ہر حال میں اللہ سے سب کچھ لینا ہے، یقیناً اس کی ذات بڑی رحیم ہے اور وہ ہمیں دنیا و آخرت کی نعمتوں سے ضرور نوازے گا۔

(۱) سنن النسائی، کتاب الإستسقاء، باب کیف یرفع الإمام یدہ: ۱۵۲٤

اعتکاف اور اس کے آداب

اس میں شبہ نہیں کہ اعتکاف ایک بڑی عبادت ہے، رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ایک مستقل معمول تھا، صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ

"كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ." (۱)

(رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری دس دنوں کا اعتکاف کرتے تھے۔)

اعتکاف نام ہے اپنے مالک کے در پر پڑ جانے کا اور اللہ کے لیے یکسو ہونے کا، دنیا کے شور و ہنگاموں سے ہٹ کر آدمی اعتکاف میں اس لیے بیٹھتا ہے کہ اللہ کی معرفت اور اس کا قرب نصیب ہو۔

اعتکاف میں بیٹھنے سے قبل آدمی کو سب سے پہلے اپنی نیت کا جائزہ لینا چاہیے، اعتکاف کوئی رسمی چیز نہیں ہے کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آئے تو ہم مسجد کے کسی کونے میں پردہ تان کر بیٹھ جائیں اور ہمیں یہ خیال نہ ہو کہ ہمارے یہاں بیٹھنے کا مقصد کیا ہے اور ہمیں اپنی نیت کو مستحضر رکھنے کی کس قدر ضرورت ہے۔

(۱) صحيح البخاري، كتاب الإعتكاف، باب الإعتكاف في العشر الأواخر: ۲۰۲۵

اعتکاف کرتے وقت یہ بات ذہن میں ہونا چاہیے کہ ہم اللہ کو راضی کرنے کے لیے ایک محبوب سنت کی ادائیگی کر رہے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کا ایک ایک طریقہ اللہ کو خوش کرنے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے، اس لحاظ سے اعتکاف کا عمل تو بہت بڑی بات ہے، اس لیے اللہ کو راضی کرنے کے لیے اعتکاف ہو اور یہ کوئی رسمی چیز نہ ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ اعتکاف یکسوئی چاہتا ہے، یکسوئی جتنی زیادہ ہوگی فائدہ بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا، اب اگر کوئی آدمی مسجد کو گھر بنالے اور جو معمولات گھر کے ہیں یا مسجد کے باہر کے ہیں، وہی معمولات مسجد میں بھی رہیں تو اس اعتکاف کا کوئی بڑا فائدہ حاصل ہونے والا نہیں، ایسی صورت میں تو مسجد کے آداب پامال ہوں گے۔

یکسوئی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم مسجد میں بلاضرورت مجلسیں نہ لگائیں، آپس میں بیٹھ کر بے جا باتیں نہ کریں، عبادت کے علاوہ دوسرے کاموں میں دیر رات تک نہ جاگیں، ان کاموں سے بہتر ہے کہ آدمی کچھ دیر تلاوت کرلے، یا عبادت میں مشغول رہے۔ سچی بات یہ ہے کہ فضول باتوں کا نقصان سب سے زیادہ ہوتا ہے لیکن افسوس کی بات ہے کہ ہمارے اندر یہ مرض بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔

اس بات کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ مسجد میں آہستہ آواز سے بولیں، بعض مرتبہ آدمی نہ خود یکسور ہتا ہے، نہ دوسروں کو یکسور ہنے دیتا ہے جس سے ہر ایک کو پریشانی ہوتی ہے، اس لیے اگر کوئی ضروری بات کرنی ہو تو مختصر بات کریں اور آہستہ آواز میں کریں۔

رمضان کے مبارک اوقات میں عام طور پر اور مسجد میں اعتکاف کی حالت میں خصوصی طور پر موبائل کا بے ضرورت استعمال نہایت مضر ہے، یہ چیز بھی یکسوئی کے انتہائی منافی ہے، اگر آپ مسجد ہی میں رہ کر کسی سے بات کریں تو اس کا دائرہ محدود ہوگا لیکن اگر آپ موبائل پر باتیں کریں تو اس کی کوئی حد نہیں، اس لیے ان ایام میں زیادہ تر اپنا موبائل بند رکھنے کی کوشش کریں، جس طرح نمازوں کے اوقات میں موبائل بند

رکھنے کی پابندی کی جاتی ہے، سچی بات یہ ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ کا یہ اعتکاف بھی اسی اہمیت کا حامل ہے، اگر آپ کا موبائل آن رہے گا تو آپ کا دل دنیاوی باتوں میں بھی یقیناً الجھا رہے گا کہ فلاں کا مسج آ گیا، یا فلاں نے یہ بیان دے دیا وغیرہ، ظاہر ہے ایسی صورت میں یکسوئی حاصل نہیں ہوسکتی، تاہم اس میں کوئی حرج نہیں کہ اگر اپنے اہل خانہ سے کوئی ضرورت کی بات کرنی ہے تو کرلیں اور پھر بند کردیں۔

بعض معتکفین اعتکاف کی حالت میں بھی موبائل پر دنیا بھر کی خبریں سنتے رہتے ہیں، غور کا مقام ہے کہ اگر ہم ان ایام میں بھی ایسی چیزوں میں ہی مبتلا رہیں گے تو ہمیں کیا نفع حاصل ہوگا، اگر ہم مسجد میں خبریں دیکھیں گے تو نہ جانے اس کے ساتھ کتنی لغویات بھی سامنے آئیں گی، بعض مرتبہ خبروں کے دوران نامناسب تصویریں بھی آجاتی ہیں جن کو اعتکاف کی حالت میں غیر شعوری طور پر دیکھنا بھی بہت مضر ہے۔

اعتکاف کی حالت میں زیادہ تر اوقات کو ذکر وعبادت میں مشغول رکھنے کی کوشش کی جائے، آپ تسبیحات پڑھئے اور اگر زبان سے ذکر نہیں کر رہے ہیں تو خاموش ہوکر مراقبہ میں بیٹھ جایئے، یہ سمجھ کر بیٹھئے کہ آپ اللہ کے گھر میں ہیں، اللہ کے سامنے ہیں اور اللہ کی رحمت متوجہ ہے، تو یقیناً آپ رحمت الٰہی کے مستحق قرار پائیں گے لیکن اگر ہم اپنا برتن الٹا کردیں گے تو ہمیں کچھ نہیں ملے گا، ظاہر ہے اگر کوئی ہماری طرف توجہ کرے اور ہم اپنی توجہ دوسری جانب کرلیں تو وہ ہماری طرف رخ کیوں کرے گا اور ہمیں جو ملنا چاہیے وہ کیوں ملے گا؟ اس لیے جتنا ممکن ہو اتنا ہم اپنی توجہ کو اللہ کی طرف لگا کر بیٹھنے کی کوشش کریں۔

واقعہ یہ ہے کہ سال کے بارہ مہینوں کا خلاصہ رمضان کا مہینہ ہے اور رمضان کا خلاصہ اس کا آخری عشرہ ہے، اگر ان ایام میں ہم نے کچھ حاصل کرلیا تو وہ سال بھر ہمارے کام آئے گا، یہ موقع اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کا ہے، اس لیے اگر خدانخواستہ

ہم اپنے وقت کو ضائع کریں تو یہ بالکل مناسب نہیں۔

اپنے آپ کو راحت و آرام پہنچانا بھی عبادت ہے، لیکن اس میں بھی آداب کی رعایت ضروری ہے، اگر آدمی مسجد میں سوئے تو اسے دھیان رہے کہ یہ اللہ کا گھر ہے، اپنا گھر نہیں، اس لیے توجہ کے ساتھ سوئیں اور مسجد میں سوتے وقت اپنی چادر وغیرہ بچھا کر سوئیں، مسجد میں قیام کے دوران اس بات کا خصوصی لحاظ رکھنا چاہیے کہ آدمی سے کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو جس سے مسجد کی توہین لازم آتی ہو، یا مسجد گندی ہو، حضرات علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر آدمی کی داڑھی میں کوئی تنکا پھنسا ہے، یا کوئی اور چیز اس کے بدن پر لگی ہے، اس نے اس کو نکال کر مسجد ہی میں پھینک دیا تو یہ بات بھی آدابِ مسجد کے خلاف ہے، اس لیے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی چیز ہو تو اس کو اٹھا کر جیب میں رکھ لیں اور باہر نکلتے وقت پھینک دیں۔

مسجد میں قیام کے دوران اپنے لباس کا لحاظ بھی ضروری ہے اور سوتے وقت بہت زیادہ کپڑوں کو اتار کر سونا اچھی بات نہیں ہے، میرا خیال تو یہ ہے کہ مسجد میں کرتا اتار کر بھی سونے کی ضرورت نہیں ہے، مسجد اللہ کا گھر ہے، ہمیں یہ دھیان رہے کہ ہم کہاں سو رہے ہیں؟ گھر اور مسجد کے اندر سونے میں تھوڑا فرق ہونا چاہیے، اگر ہم یہ فرق کریں گے تو اس کے ذریعہ انشاء اللہ استحضار کی کیفیت کسی نہ کسی درجہ میں باقی رہے گی۔

جن جگہوں پر اعتکاف کا اجتماعی نظام ہوتا ہے یا بعض مسجدوں میں کئی لوگ ایک ساتھ اعتکاف میں بیٹھتے ہیں، وہاں اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ ہماری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، یہاں تک کہ ہماری تلاوت اور ذکر و عبادت سے بھی کسی کو اذیت نہ ہو، اجتماعی نظام میں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ ایک وقت کسی کے سونے اور آرام کرنے کا ہے لیکن دوسرے کے لیے وہی وقت عبادت کا ہے، ایسے موقع پر یہ مناسب نہیں کہ سونے والے کی رعایت نہ کی جائے بلکہ بہتر یہ ہے کہ آدمی آہستہ آواز

میں تلاوت یا ذکر کرے، یا مسجد ہی کے اندر کسی دوسری جگہ بیٹھ جائے۔

اجتماعی نظام میں بعض چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو لوگ غیر شعوری طور پر کر بیٹھتے ہیں جب کہ دوسروں کو اس سے تکلیف ہوتی ہے مثلاً: مسجد سے باہر استنجا کے لیے کسی دوسرے کی چپل پہن کر چلے جانا، ظاہر ہے یہ انتہائی غلط طریقہ ہے اور گناہ کی بات ہے، یاد رکھیں! ایذاء مسلم حرام ہے، یقیناً آپ چور نہیں ہیں لیکن آپ نے ایک شخص کو تکلیف پہنچائی، اس لیے ایسی غلطی نہیں کرنی چاہیے۔ دوسری ضروری بات یہ بھی دھیان رہے کہ اگر استنجا کے لیے جائیں تو وہاں صفائی کا خیال ضرور رکھیں، اگر آپ نے صفائی کا خیال نہ کیا تو دوسرے آدمی کو تکلیف پہنچے گی اور یہ بھی آپ کے لیے گناہ کا سبب بنے گا۔ تیسری ضرورت بات یہ بھی ذہن نشین رہے کہ عام طور پر مسجدوں کے وضو خانوں پر بیٹھ کر وضو کرنے کے لیے ایک چھوٹا سا چبوترہ بنا ہوتا ہے، بعض مرتبہ لوگ وضو کر کے اسی پر کھڑے ہو جاتے ہیں یا اس کو گیلا کر دیتے ہیں، اس کے بعد دوسرے شخص کے لیے بیٹھنا مشکل ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کے ذریعہ ہم دوسروں کو تکلیف دیتے ہیں اور خود کو نقصان پہنچاتے ہیں، اس لیے ان سب چیزوں سے بچنا چاہیے۔

اجتماعی نظام میں ایثار سے بھی کام لینا چاہیے مثلاً: سب ساتھی کھانے کے لیے بیٹھے ہیں تو دستر خوان پر ایک دوسرے کو ترجیح دیں، یا گرمی کا زمانہ ہے تو پنکھوں کے نیچے ایک دوسرے کو بیٹھنے کی ترجیح دیں، اسی طرح ہر ایک کی ضرورتوں کا خیال رکھنے کی کوشش کریں۔ یہ ایسے اعمال ہیں جن سے غیر معمولی ترقی ہوتی ہے، ہمارے بعض بزرگوں نے یہ بات لکھی ہے کہ آدمی کی پہچان دستر خوان پر ہوتی ہے کہ اس کے اندر ایثار ہے یا خود غرضی؟ اگر کوئی آدمی اس میں ایثار سے کام لیتا ہے اور اچھی چیز دوسرے کو کھانے کے لیے دے دیتا ہے، تو یہ چیز سلوک کے راستے میں خاص طور سے اعلیٰ

درجہ کی ہے، اس سے بہت تیز ترقی ہوتی ہے۔

اعتکاف کی حالت میں مسجد کی تعظیم کا خیال بے حد ضروری ہے، حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر یہ بات فرمائی کہ اگر کوئی آدمی مسجد کا ادب واحترام کرے گا تو یہ چیز اس کے لیے غیر معمولی ترقی کا ذریعہ ہے۔

حضرت سید صاحبؒ اس بات کا بڑا اہتمام فرماتے تھے، ایک مرتبہ دہلی کی ایک مسجد میں ان کا جانا ہوا، وہاں ان سے ایک مرید ملاقات کے لیے آئے اور اسی دوران اچانک ان کی طبیعت بگڑنے لگی، یہاں تک کہ ان کو قے ہوگئی، سید صاحب نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے تاکہ وہ قے مسجد میں نہ گرے اور مسجد گندی نہ ہو پھر جب طبعی تقاضے کی بنا پر سید صاحب کی طبیعت بھی بگڑی تو انھوں نے اپنا دامن پھیلا دیا اور آپ ان کو لے کر مسجد سے باہر چلے گئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو غیر معمولی پسند فرمایا اور اس کے نتیجہ میں مجھے اللہ نے خاص مقامات عطا فرمائے۔

ظاہر ہے یہ کام دیکھنے میں انتہائی مشکل ہے لیکن بہت سے کام آسان بھی ہوتے ہیں جیسے میں نے عرض کیا کہ ہم نے اپنا سامان ٹھیک کرتے ہوئے کوئی زائد چیز نکالی اور اس کو باہر پھینکنے کے بجائے مسجد ہی میں ڈال دیا، اگر ہم ایسا کریں گے تو ہمارا ہی نقصان ہے۔ اس کے برعکس کسی دوسرے نے کوئی چیز ڈال دی تو بجائے اس کے کہ ہم اس سے کچھ کہیں، ہم خود اٹھیں اور اس کو باہر پھینک دیں تو یہ چیز ہماری ترقی کا ذریعہ ہوگی۔

اعتکاف کے دوران اور اجتماعی نظام میں خاص طور پر مسجد کی صفائی کا خیال رکھیں اور کوئی چیز بے ترتیب نہ کریں، ہمارے ذہن میں یہ بات ہونا چاہیے کہ یہ اللہ کا گھر ہے، اگر ہم اللہ کا گھر صاف کریں گے تو اللہ خوش ہوگا۔ اگر آپ کا گھر کوئی صاف کردے تو طبعی طور پر آپ کا دل خوش ہوگا اور آپ اس شخص کو دل سے دعا دیں گے، ٹھیک اسی طرح مسجد بھی اللہ کا گھر ہے اور اسی کے پاس سارے خزانے ہیں، اب اگر

ہم اس کے گھر کی صفائی کا اہتمام کریں گے تو یقیناً اس کی طرف سے ہمارے لیے راستے کھلیں گے اور یہ بات ہمارے لیے ترقی کا ایک بڑا ذریعہ ثابت ہوگی۔

جن جگہوں پر اعتکاف کا اجتماعی نظم ہوتا ہے اور وہاں ایک بڑی تعداد میں لوگ معتکف ہوتے ہیں، ایسی جگہوں پر یہ بات بھی ضروری ہے کہ ہر آدمی اپنے سامان کی خود حفاظت کرے، خاص طور پر موبائل کی حفاظت بڑی ضروری ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ موبائل کو بند کر کے اندر ایک بیگ میں رکھ دیں اور وہ لوگوں کی نگاہوں میں نہ آئے، بعض لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ موبائل چارجنگ پر لگا کر غافل ہو جاتے ہیں، پھر اس پر کسی کا فون آتا ہے، وہ مسلسل بجتا رہتا ہے، اس سے دوسروں کو زحمت بھی ہوتی ہے اور بعض اوقات کسی کی بری نظر اس پر پڑتی ہے اور وہ سوچتا ہے کہ یہ موقع اچھا ہے، ابھی اس موبائل کو دیکھنے والا کوئی نہیں ہے اور وہ اس پر اپنا ہاتھ صاف کر لیتا ہے۔

موبائل کے سلسلہ میں یہ بات بھی گوش گذار کرنا ضروری معلوم ہوتی ہے کہ موبائل میں کوئی سادہ Ring Tone لگانے کا خیال رکھیں، عام طور پر اس سلسلہ میں بڑی بے احتیاطی ہوتی ہے اور اس سے بھی مسجد کی حرمت پامال ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض مرتبہ لوگ دین داری سمجھ کر موسیقی وغیرہ کے بجائے قرآن کی تلاوت، اذان یا دعائیں وغیرہ لگا دیتے ہیں، یہ بھی غلط ہے، یہ ساری چیزیں مقصود ہیں، ذریعہ نہیں، آپ نے موبائل پر اذان لگائی، اب جب گھنٹی بجی تو آپ نے اس کو بند کر دیا، جب کہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آپ اس اذان کو مکمل سنتے، پھر یہ کہ آپ اسی موبائل کو لے کر واش روم چلے گئے اور وہ وہاں بج گیا، ظاہر ہے یہ بات بھی آداب کے بالکل خلاف ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ قرآن مجید ادب واہتمام کے ساتھ سنیں، اس کو مقصود بنائیں، یہ کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ آپ اس کو موبائل کی گھنٹی بنالیں۔

حاصل یہ کہ رنگ ٹون میں نہ غلط موسیقی ہونا چاہیے، نہ غلط گھنٹی ہونا چاہیے اور نہ

اس میں تلاوت ودعا اوراذان وغیرہ لگائیے بلکہ سیدھی سادی گھنٹی لگائیے اوراس کی آواز کومسجد میں خاص طور پر ہلکا رکھئے ورنہ اس سے دوسروں کوخلل ہوتا ہے۔

اجتماعی نظام میں یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ عام طور پرلوگ اپنے موبائل میں جاگنے کے لیے الارم لگاتے ہیں، بعض مرتبہ وہ الارم بجتا رہتا ہے لیکن سونے والا نہیں اٹھتا، اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے قریب والے ساتھی کو بتادیجیے کہ اگر ہماری آنکھ نہ کھلے تو تم ہم کو اٹھادینا، ورنہ الارم بجتا رہتا ہے اوراس سے دوسروں کو بھی خلل ہوتا ہے۔

حاصل یہ کہ اس طرح کی وہ ساری چیزیں جو حارج ہوتی ہوں اور دوسروں کی تکلیف کا ذریعہ بنتی ہوں، ان سے ہم کو بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے، پھر اس بات کا استحضار بھی ضروری ہے کہ ہم اللہ کے گھر میں مقیم ہیں، اللہ سے لینے کے لیے آئے ہیں، یہاں ہمارا جتنا وقت اللہ کی طرف متوجہ ہوکر گذرے گا، گویا اتنا ہی زیادہ ہمارا برتن کھلا ہوا سامنے ہوگا اور ہم مانگنے والے ہوں گے تو اللہ بہت سخی ہے، انشاء اللہ ہمارا برتن خالی نہیں رہے گا اور ہم کو ضرور ملے گا، لیکن اگر خدانخواستہ ہم متوجہ نہیں ہیں اور وہ ہماری طرف متوجہ ہے تو یہ چیز ہمارے لیے بے شرمی کی بات ہے اور یہ ایک بڑی محرومی بھی ہوگی کہ کوئی ہمیں دینے کے لیے تیار ہے لیکن ہم لینے کے لیے تیار نہیں۔

اعتکاف کے دوران کم سے کم سونے کی کوشش کریں اور زیادہ سے زیادہ عبادت کی فکر کریں، تلاوت کریں، ذکر کریں اور اپنے اوقات کو اچھے سے اچھے طریقہ پر بسر کریں تاکہ زیادہ سے زیادہ اجر وثواب کے مستحق ہوں مثلاً: تراویح کی نماز کے بعد آپ باتوں میں مشغول نہ ہوں بلکہ فوراً سونے کی فکر کریں، پھر کچھ دیر بعد اٹھنے کی کوشش کریں اور تلاوت ونوافل وغیرہ میں مشغول ہوجائیں، ظاہر ہے اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے لیکن بعض لوگوں کا حال بہت عجیب ہے کہ وہ رات بھر سوتے ہیں، یہاں تک کہ سحری میں اٹھنا بھی ان کے لیے مشکل ہوتا ہے اور نماز فجر کے بعد دوبارہ

سوجاتے ہیں،غور کرنے کی بات ہے کہ کیا اعتکاف اسی معمول کا نام ہے؟

اگر ہم اعتکاف کے دوران ان چیزوں کا خیال رکھیں گے تو انشاءاللہ ہمارا وقت اچھا گذرے گا اور اللہ کے یہاں سے انشاءاللہ ہم کو بہت کچھ ملے گا۔

ان مبارک ایام میں مسجد کے اندر تلاوت کا ایک عام ماحول ہوتا ہے اور بار بار قرآن مجید کو آدمی ہاتھ میں لیتا ہے اور اس کو رکھتا ہے، اس سلسلہ میں بھی یہ بات ذہن میں رہنا چاہیے کہ یہ اللہ کا کلام ہے، آدمی جب اس کو الماری میں رکھے تو عام کتابوں کی طرح نہیں بلکہ ادب واہتمام کے ساتھ رکھے، سلیقہ سے رکھے اور ہر جگہ نہ رکھے، اس طرح ادب سے رکھے کہ دیکھنے میں بھی ٹھیک معلوم ہو اور یہ محسوس ہو کہ ہم اس کی تعظیم کر رہے ہیں۔ حقیقت میں اللہ کا یہ کلام شعائر اللہ میں داخل ہے اور اس کا گھر بھی شعائر میں سے ہے اور جو چیزیں اللہ سے نسبت رکھتی ہوں، ان کی تعظیم کے متعلق ارشاد ہے:

﴿وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ (الحج: ۳۲)

(اور جس نے شعائر اللہ کی تعظیم کی تو یقیناً یہ دل کے تقویٰ کی بات ہے۔)

قرآن مجید کی تلاوت کے سلسلہ میں ایک بات یہ بھی پیش آتی ہے کہ موبائل میں اس کی تلاوت درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں تقریباً ہمارے تمام علماء متفق ہیں کہ موبائل پر تلاوت قرآن کریم کی اجازت ہے لیکن بہتر بات یہ ہے کہ آدمی اہتمام کے ساتھ بیٹھے اور مصحف کو کھول کر باقاعدہ اپنے سامنے رکھ کر تلاوت کرے۔

شب قدر اور اس کا پیغام

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین وعلیٰ من تبعھم بإحسان ودعا بدعوتھم إلیٰ یوم الدین أما بعد! قال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم: بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِیْباً وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ غَرِیْباً فَطُوْبیٰ لِلْغُرَبَاءِ. أو کما قال علیہ الصلاۃ والسلام.

محترم حضرات!

بلاشبہ شب قدر ایک انتہائی مبارک شب ہے، یہی وہ رات ہے جس میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر قرآن مجید نازل کیا گیا، قرآن مجید میں سورۂ قدر ہی کے نام سے پوری ایک سورہ بھی نازل ہوئی ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ☆وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ☆لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ☆تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِیْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ☆سَلَامٌ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ (القدر: ۱-۵)

(یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں اتارا ہے اور آپ کو معلوم بھی ہے شب قدر کیا چیز ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس میں فرشتے

اور روح (الامین) تمام معاملات لے کر اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں، وہ سراپا سلامتی ہے، یہی (سلسلہ) رہتا ہے صبح کے نکلنے تک۔)

آپ ﷺ نے اس رات کی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں، بخاری میں ہے:

"مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَاناً وَاحْتِسَاباً غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ."(۱)

(جس نے شب قدر میں ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ عبادت کا اہتمام کیا تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔)

سنن بیہقی میں ہے کہ شب قدر میں حضرت جبریل فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ دنیا میں آتے ہیں اور جس کو بھی عبادت میں مشغول پاتے ہیں تو اس پر رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور فرشتے اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ آپ ﷺ رمضان سے پہلے جب خطبہ دیتے تو اس رات کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے:

"إِنَّ هَذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَفِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا إِلَّا مَحْرُومٌ."(۲)

(تمہارے پاس ایک ایسا مہینہ آچکا ہے جس کے اندر ایک ایسی رات بھی ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے، جو آدمی اس رات سے محروم ہو گیا تو گویا وہ ہر خیر سے محروم کر دیا گیا، واقعہ یہ ہے کہ اس رات کے خیر سے وہی محروم ہوگا جو حقیقی معنی میں محروم ہو۔)

اس رات کے متعلق یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ رمضان کی کس شب میں ہوگی، اسی لیے آپ ﷺ فرماتے تھے کہ

"تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ."(۳)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب من صام رمضان...: ۱۹۰۱

(۲) سنن ابن ماجة، کتاب الصیام، باب ما جاء فی فضل شهر رمضان: ۱۷۱۳

(۳) صحیح البخاری، کتاب فضل لیلة القدر، باب تحری لیلة القدر: ۲۰۱۷

(رمضان کے آخری دس دنوں کی طاق راتوں میں شبِ قدر تلاش کیا کرو۔)

بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی مجبور یا معذور آدمی کے لیے مکمل دس راتوں تک اہتمام کرنا مشکل ہو تو وہ کم از کم اتنا ضرور کرے:

"فَإِنْ ضَعُفَ أَحَدُكُمْ أَوْ عَجَزَ فَلَا يُغْلَبَنَّ عَلَى السَّبْعِ الْبَوَاقِي."(۱)

(اگر تم میں سے کوئی کمزور یا عاجز ہو تو وہ باقی رہ جانے والی سات راتوں میں (عبادت سے) ہرگز پیچھے نہ ہٹے۔)

بہتر یہ ہے کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں آدمی جاگے اور عبادت کرے، نفل نمازیں، تلاوت و تسبیح، ذکر و اذکار اور مسنون دعاؤں کا اہتمام کرے، ان مبارک راتوں میں خاص طور پر اس دعا کا اہتمام انتہائی مفید عمل ہے:

"اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي."(۲)

(اے اللہ! بے شک تو بہت معاف فرمانے والا، نہایت کریم ہے، تو معافی کو پسند فرماتا ہے، مجھے معاف فرمادے۔)

حاصل یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنے بندوں کے اوپر یہ ایک بڑا انعام ہے، اس مبارک شب پر ہر صاحب ایمان کو شکر ادا کرنا چاہیے اور اس کی قدر بھی کرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ یہ رات ضائع ہو جائے، خدانخواستہ ہم اپنے کاموں اور اپنی باتوں میں لگے رہیں اور لغو چیزوں میں لگے رہیں، سچی بات تو یہ ہے کہ اس رات میں صرف کچھ وقت ہی ذکر و تلاوت کر لینا تنہا کافی نہیں ہے، یہ الگ بات ہے کہ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے اور وہ اپنے بندوں کو بہت بھر بھر کر دیتا ہے، لیکن ہماری ذمہ داری ہے کہ اس مبارک شب میں ہم اپنا وقت بالکل ضائع نہ کریں، اگر اس مبارک رات میں بھی

(۱) صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل ليلة القدر: ۲۸۲۲

(۲) سنن الترمذي، كتاب الدعوات، باب أي الدعاء أفضل: ۳۸۵۵

خدانخواستہ ہمارا وقت ضائع ہوگا تو یہ بڑے خطرہ کی بات ہے۔

شب قدر کے موقع پر دوسری اہم بات جو بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو دین عطا فرمایا، یہ ہماری کامیابی کی ضمانت ہے، ہمارے محبوب ﷺ کے ذریعہ سے اللہ نے یہ دین ہم تک پہنچایا ہے، آپ ﷺ نے جب دین کی دعوت پیش کی تھی تو کتنے لوگ ماننے والے تھے؟ ظاہر ہے وہ چند حضرات تھے جن کی گنتی انگلیوں پر کی جاسکتی تھی، آپ ﷺ کی مکی زندگی بہت قربانیوں بھری گذری ہے، اس دور میں آپ ﷺ کے ساتھ جن حضرات نے بھی قربانیاں دی ہیں' قرآن وحدیث میں ان کی بڑی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔

میں نے آپ کے سامنے خطبے میں جو حدیث پڑھی اس میں یہی بات بیان کی گئی ہے کہ اسلام اپنے آغاز میں بڑی کسمپرسی کے عالم میں چلا تھا، جب آپ ﷺ نے دین کی دعوت دی تو کم ہی لوگ آپ کی بات ماننے والے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں آپ سب جانتے ہیں کہ انھوں نے کیسی قربانیاں دیں اور ان کی قربانیوں سے یہ دین ہم تک پہنچا، پھر ان کے بعد ہمارے بزرگوں اور اسلاف نے قربانیاں دیں۔

اس وقت ہمارے سامنے پوری دنیا کے جو حالات ہیں، خاص طور پر ہم جس ملک میں رہتے ہیں اور یہاں کے جو حالات ہیں، سچی بات یہ ہے کہ اس وقت ہم بھی کسمپرسی کے عالم میں ہیں، ان حالات میں آپ حضرات کے سامنے میں صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت دین پر جو جمے گا، اس وقت عقیدۂ توحید کو جو مضبوطی کے ساتھ تھامے گا، اس وقت ایمان کے ساتھ جو اپنی زندگی گذارنے کا عزم کرے گا اور یہ طے کرے گا کہ ہمیں ایمان واسلام پر جینا ہے، اللہ کے نبی ﷺ کی مبارک تعلیمات پر جینا ہے اور اسی پر مرنا ہے تو یہ سب سے بڑھ کر کامیابی کی بات ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: "فَطُوبىٰ لِلْغُرَبَاءِ." (۱)

(۱) صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أن الإسلام...: ۳۸۹

یعنی وہ لوگ جو کسمپرسی کے عالم میں بھی دین پر چلتے ہیں، وہ قربانیاں دیتے ہیں لیکن اپنے دین کو نہیں چھوڑتے، اللہ کے یہاں ان کا غیر معمولی مقام ہے، اس دنیا میں بھی وہ بے مثال ہیں اور آخرت کی زندگی میں بھی سرخ روئی ان کا مقدر ہے اور ظاہر ہے کہ اصل زندگی مرنے کے بعد ہی کی ہے، ضرورت ہے کہ اس زندگی کی فکر اور اس کی تیاری کا جذبہ ہمارے اندر پیدا ہو جائے۔

ہمارے نوجوانوں کو سوچنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی ﷺ کے دین کا حامل بنایا، اللہ نے ان کو طاقت اور جوانی دی، اس لیے ان کی بڑی ذمہ داری ہے کہ یہ اللہ کے دین کے لیے خرچ ہو، اللہ کے نبی ﷺ کے لیے خرچ ہو، بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمیں ان چیزوں کا خیال نہیں ہوتا اور ہم طرح طرح کی برائیوں میں پڑ جاتے ہیں، کبھی عقیدہ کی برائی ہے، توحید یعنی ایک اللہ کو ماننے کا جو عقیدہ ہونا چاہیے وہ نہیں ہوتا، اسی طرح اللہ کے نبی ﷺ سے جو محبت و تعلق ہو، بعض مرتبہ اس میں بھی کمی نظر آتی ہے، ایسا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا حکم وارشاد سنایا جا رہا ہے لیکن اس کا خیال نہیں ہوتا، اگر خدانخواستہ ہم اس میں اپنی من مانی کریں اور ہمارے جو جی میں آئے وہ کریں تو ظاہر ہے کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کا تقاضا نہیں ہے اور یہ اس سے بالکل ایک ہٹی ہوئی بات ہے۔

آج کی اس مبارک شب کا سب سے بڑا پیغام یہی ہے کہ ہم ایک اللہ پر یقین کریں گے، ایک اللہ کو مانیں گے اور یہ سمجھیں گے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے۔ دوسری طرف ہم اپنے اندر اپنے محبوب ﷺ کی ایسی محبت پیدا کریں گے کہ آپ ﷺ کی محبت کے آگے ہمارا ہر کام ہیچ ہوگا، ہر محبت ہیچ ہوگی اور کسی کی کوئی قیمت نہ ہوگی، اللہ کے نبی ﷺ کی محبت، ان کا حکم اور ان کی شریعت ہمیں ہر چیز سے بڑھ کر عزیز و محبوب ہوگی۔

آج کی اس مبارک شب میں ہمارے نوجوان خاص طور پر طے کریں کہ اب تک ہم جن برائیوں میں ملوث تھے، ہم ان سے توبہ کریں گے، چاہے وہ نشے کی چیزیں ہوں، چاہے جوا یا سٹا ہو، یا بے حیائی کے کام ہوں، یا موبائل کے ذریعہ سے جن لغویات میں ہم اپنا وقت ضائع کرتے ہیں، حقیقت میں یہ ساری چیزیں ہمیں تباہی کے راستے کی طرف لے جارہی ہیں، آج کے اس دور میں جب کہ ہم سب خود خطرہ میں ہیں، اس کے بعد بھی اگر خدانخواستہ ہمیں اپنی پرواہ نہ ہو تو یہ انتہائی خطرناک بات ہے۔

آج آپ یہ طے کریئے کہ انشاء اللہ ہمیں دین پر جینا ہے اور دین پر ہی مرنا ہے، اللہ کے نبی ﷺ کی شریعت پر ہمیں سب کچھ قربان کرنا ہے اور ہم شریعت اسلامیہ کے ایک حبہ سے بھی دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اس وقت جو خطرات ہمارے سامنے ہیں اور جس طرح ارتداد کی ایک فضا ہمارے سامنے پیدا ہو رہی ہے، یہ ہمارے لیے انتہائی خطرہ کی چیز ہے، آج اس مبارک شب میں ہم سب یہ طے کریں کہ اپنے گھروں میں، اپنے محلوں میں، اپنے شہروں میں اور اپنے علاقوں میں انشاء اللہ ہم دین کی حفاظت کریں گے، اللہ کے نبی ﷺ کی شریعت کی حفاظت کریں گے اور جو غلطیاں ہم سے ہو رہی ہیں جیسے نشے، جوئے اور سٹے کی غلطیاں، یا حرام کمائی کی بڑی غلطی جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ بے برکتی پیدا کر دیتا ہے، پھر نہ دعائیں قبول ہوتی ہیں اور نہ اعمال قبول ہوتے ہیں، آپ یہ عہد کریں کہ ان سب چیزوں سے توبہ کر کے ایک پاکیزہ زندگی گذاریں گے۔

سحر وافطار اور اس کے آداب

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کی پیدائش کا مقصد عبادت قرار دیا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات: ٥٦)

(اور میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔)

دنیا کے تمام ادیان ومذاہب میں تنہا اسلام ہی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے دیگر مذاہب کی طرح صرف چند ظاہری رسم ورواج اور اشکال کی پابندی پر زور نہیں دیا ہے، جب کہ اسلام کا اصل مقصود ہی بندگی ہے، بلاشبہ اس کی ظاہری شکلیں بھی متعین کی گئی ہیں اور یہ ایک انسانی ضرورت ہے لیکن اسلام نے اصل توجہ بندگی کی روح پر دی ہے اور انسان کی پوری زندگی عبادت بنادی ہے، جہاں کہیں بھی بندگی کی یہ روح کارفرما ہوگی، وہاں وہ چیز عبادت کہلائے گی، خواہ وہ خالص انسانی تقاضے کی تکمیل اور ظاہری عادات ہی کیوں نہ ہوں۔ حدیث نبویؐ کی رو سے بیوی کے منھ میں لقمہ دینا اور اپنی جائز ضرورتیں پوری کرنا بھی اگر وہ رضائے الٰہی کی نیت اور تقرب الی اللہ کے شوق میں کی جائیں، عبادت ہے۔ سونا جاگنا، ہنسنا بولنا، ملنا جلنا، کاروبار کرنا، یہ سب اعمال عبادت بن جاتے ہیں، اگر صحیح نیت کے ساتھ کیے جائیں۔

رمضان کے ایک مہینہ کے روزے کے بعد افطار کا حکم دیا گیا ہے اور اس دن روزہ رکھنے کو نافرمانی اور سرکشی قرار دیا گیا ہے تاکہ آدمی کے ذہن میں یہ بات تازہ رہے کہ اصل مقصود روزہ نہیں بلکہ اللہ کی بندگی اور تابع داری ہے اور روزہ اس کا ایک ذریعہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں روح عبادت پر اس قدر زور دیا گیا ہے کہ وہ ظاہری عبادات جن کی مشروعیت ہی عبادت کے لیے ہوئی ہے، اگر بندگی کی روح سے خالی ہوں تو وہ عبادات نہیں، اسی طرح وہ عادات جو بہ ظاہر ایک انسانی اور طبعی تقاضا ہیں؛ اگر ان کی تکمیل میں بندگی کی روح کارفرما ہے تو وہ عبادت ہیں۔

اگر دیکھا جائے تو روزہ میں سحر و افطار کا نظام ایک انسانی ضرورت کی تکمیل ہے لیکن سنت طریقہ پر اس کی ادائیگی اس معمول کو بھی عبادت بنا دیتی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کا غیر معمولی اجر ملتا ہے۔ سحری کی سنت حقیقت میں امت مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا انعام ہے، ایک حدیث میں ہے:

"فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ أَكْلَةُ السَّحَرِ."(۱)

(ہمارے روزہ اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان امتیاز سحری کھانا ہے۔)

احادیث مبارکہ میں سحری کو برکت کا کھانا بتایا گیا ہے اور حکم ہے کہ

"تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً."(۲)

(سحری کیا کرو، اس لیے کہ بے شک سحری میں برکت ہے۔)

سحری میں یہ ضروری نہیں کہ آدمی خواہش نہ ہونے کے باوجود کھائے بلکہ سنت سمجھ کر ایک گھونٹ پانی پینے سے بھی یہ برکت حاصل ہو سکتی ہے، مسند احمد میں ہے:

"اَلسُّحُورُ أَكْلَةُ بَرَكَةٌ فَلَا تَدَعُوهُ وَلَوْ أَنْ يَجْرَعَ أَحَدُكُمْ جَرْعَةً مِنْ

(۱) صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فضل السحور: ٢٦٠٤

(۲) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب بركة السحور من غير إيجاب: ١٩٢٣

مَاءٍ فَإِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِينَ."(۱)

(سحری کھانا برکت کی چیز ہے، اسے مت چھوڑو، چاہے تم میں سے کوئی ایک گھونٹ پانی ہی پی لے، اس لیے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کا اہتمام کرنے والوں پر رحمت نازل کرتے ہیں۔)

بہتر یہ ہے کہ تاخیر کے ساتھ سحری کی جائے، روایات میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ آخری وقت میں سحری کرتے تھے، یہاں تک کہ صبح صادق نہ ہوجائے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

"تَسَحَّرْنَا مَعَ النَّبِيِّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- ثُمَّ قُمْنَا إِلَى الصَّلَاةِ."(۲)

(ہم نبی ﷺ کے ساتھ سحری کرتے اور نماز (فجر) کے لیے کھڑے ہوجاتے۔)

سحری کے بعد آدمی نیت کا استحضار کرلے کہ وہ یہ روزہ اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لیے رکھ رہا ہے، اگر زبانی طور پر بھی نیت کرنا چاہیں تو یہ الفاظ پڑھ سکتے ہیں:

"وَبِصَومِ غَدٍ نَّوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ."

(اور میں نے ماہِ رمضان کے کل کے روزے کی نیت کی۔)

افطار بھی اللہ کی بڑی نعمت اور عبدیت کاملہ کا ایک مظہر ہے، غروب آفتاب سے ایک منٹ پہلے تک حلق میں پانی کا ایک قطرہ بھی جانا جائز نہیں، جب کہ غروب آفتاب کے بعد تاخیر کرنا درست نہیں، حقیقت میں یہی وہ بندگی کی روح ہے جو دین اسلام میں سب سے بڑھ کر مطلوب ہے، افطار کے متعلق ہمیں یہ حکم ہے کہ

"لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ."(۳)

(لوگ ہمیشہ خیر پر رہیں گے جب تک وہ افطار میں جلدی کرتے رہیں۔)

---

(۱) مسند أحمد: ۱۱۷۰۶

(۲) سنن الترمذی، کتاب الصوم، باب ما جاء فی تأخیر السحور: ۷۰۷

(۳) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب تعجیل الإفطار: ۱۹۵۷

افطار میں جلدی کرنا مسنون عمل ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آدمی مغرب کی نماز میں تاخیر کردے بلکہ افطار اور نماز کے نظام میں توازن برقرار رکھنے کی ضرورت ہے، ایک روایت میں ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ ایک آدمی وہ ہے جو افطار اور مغرب کی نماز میں جلدی کرتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو دونوں ہی چیزوں میں تاخیر کرتا ہے، ان میں سے افضل کون ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ

"الَّذِی یُعَجِّلُ الإِفْطَارَ وَیُعَجِّلُ الصَّلَاۃَ."(۱)

(جو افطار میں جلدی کرتا ہو اور نماز میں بھی جلدی کرتا ہو۔)

افطار کا وقت خاص طور سے دعاؤں کی قبولیت کا وقت ہے، اس وقت خصوصیت کے ساتھ ہر روزہ دار کو دعا کا اہتمام کرنا چاہیے، آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"إِنَّ لِلصَّائِمِ عِنْدَ فِطْرِہِ لَدَعْوَۃً مَا تُرَدُّ."(۲)

(بلاشبہ افطار کے وقت روزہ دار کی دعا رد نہیں کی جاتی۔)

رمضان جو ایثار و مواسات کا مہینہ بھی ہے، اس میں معذور و پریشان حال لوگوں کی خبر گیری کرنا اور ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرنا بڑے ثواب کا کام ہے، جو لوگ دوسروں کے روزہ افطار کرانے کا انتظام کرتے ہیں اور اس کا خیال رکھتے ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ ان کے لیے بھی غیر معمولی اجر ہے:

"مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا کَانَ لَہُ مِثْلُ أَجْرِہِ غَیْرَ أَنَّہُ لَا یَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَیْئًا."(۳)

(جس شخص نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا، اس کے لیے بھی اس روزہ دار

(۱) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل السحور: ۲۶۱۰

(۲) سنن ابن ماجۃ، کتاب الصیام، باب فی الصائم لا ترد دعوتہ: ۱۸۲۵

(۳) سنن الترمذی، کتاب الصوم، باب ما جاء فی فضل من فطّر صائماً: ۸۱۲

کے برابر اجر ہے، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے اجر میں کچھ کمی ہو۔)

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی رمضان کے مبارک اوقات کو افطار پارٹیوں میں ضائع کردے اور زیادہ سے زیادہ کھانے پینے کا اہتمام کرے، حدیث میں آتا ہے کہ یہ فضیلت ایک کھجور اور معمولی چیز کے ذریعہ بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ خود آپ ﷺ کا رمضان میں افطار کے وقت یہ معمول تھا کہ

"يُفْطِرُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَى رُطَبَاتٍ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَتُمَيْرَاتٍ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تُمَيْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَاءٍ."(۱)

(آپ ﷺ نماز (مغرب) سے پہلے تازہ کھجوروں سے افطار فرماتے تھے، اگر تازہ کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے اور اگر وہ بھی نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی کے پی لیتے تھے۔)

افطار کرتے وقت یہ دعا پڑھنا مسنون ہے:

"اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ."(۲)

(اے اللہ! میں نے تیرے لیے ہی روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر میں افطار کررہا ہوں۔)

افطار کے بعد اس دعا کا اہتمام بھی سنت ہے:

"ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ."(۳)

(پیاس ختم ہوگئی، رگیں تر ہوگئیں اور اجر ثابت ہوگیا، ان شاء اللہ!)

واقعہ یہ ہے کہ سحر اور افطار جو بہ ظاہر ایک انسانی تقاضے کی تکمیل کا ذریعہ ہیں،

(۱) سنن الترمذی، کتاب الصوم، باب ما جاء ما یستحب علیه الإفطار: ۷۰۰
(۲) سنن أبی داؤد، کتاب الصوم، باب القول عند الإفطار: ۲۳۶۰
(۳) سنن أبی داؤد، کتاب الصوم، باب القول عند الإفطار: ۲۳۵۹

اگر ان میں بھی آدمی نیت کا استحضار رکھے اور سنت طریقہ کا خیال ہو تو یہ چیزیں بھی عبادت بن جاتی ہیں، بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس سلسلہ میں بھی ہم سے بہت کوتاہیاں ہوتی ہیں، سحر کے وقت اٹھنا، تہجد کا اہتمام کرنا اور دعائیں کرنا پھر اخیر وقت میں بقدر ضرورت کچھ کھالینا ایک مبارک عمل ہے، لیکن آج ان آداب کا کسی کو خیال نہیں، جو لوگ گھروں پر رہتے ہیں' انھیں اپنی نیند عزیز ہے یا وہ دنیا کے دوسرے کاموں میں مشغول ہیں اور جو لوگ گھومنے پھرنے کے شوقین ہیں، وہ رمضان کے مبارک مہینے میں پوری پوری رات جاگنے اور بازاروں کے اندر گھومنے میں گذار دیتے ہیں پھر سحری کے لیے بھی ہوٹلوں کا رخ کرتے ہیں اور انھیں یہ خیال ہی نہیں ہوتا کہ اس ماہِ مبارک کا ایک ایک لمحہ کیسا غیر معمولی قیمتی ہے۔

افطار بجائے خود اپنی مغفرت کا سامان کرنے کا ایک سنہرا موقع ہے لیکن اس میں بھی ہمارے بہت سے بھائیوں کو صرف کھانے پینے کا اہتمام کرنے کی فکر ہوتی ہے، یا پھر وہ مغرب کی اذان کے انتظار میں اپنا وقت باتوں اور موبائل چلانے میں ضائع کر دیتے ہیں اور اذان ہوتے ہی کھانے پینے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

سحر اور افطار کے متعلق یہ بات بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ رمضان کا مہینہ ضبط نفس کے لیے ہے، جسمانی اور روحانی آلائشوں سے پاک ہونے کے لیے ہے، اس لیے اس ماہِ مبارک میں معمول سے کم کھانے کی کوشش کرنی چاہیے، بعض مرتبہ لوگ حفظ ماتقدم اور تلافی مافات کے احساس سے سحری میں اس قدر کھالیتے ہیں کہ دن بھر طبیعت میں گرانی رہتی ہے یا افطار کے وقت اتنا پیٹ بھر لیتے ہیں کہ تراویح میں کھڑا ہونا ان کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آدمی اعتدال اختیار کرے، نہ اتنا زیادہ کھالے کہ پیٹ خراب ہو جائے اور نہ اتنا کم کھائے کہ ضعف محسوس ہونے لگے۔

جمعۃ الوداع کا پیغام

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین وعلیٰ من تبعھم بإحسان ودعا بدعوتھم إلیٰ یوم الدین أما بعد! فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ﴿ یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ ادْخُلُواْ فِیْ السِّلْمِ کَآفَّۃً وَلاَ تَتَّبِعُواْ خُطُوَاتِ الشَّیْطَانِ إِنَّہُ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴾ صدق اللّٰہ العظیم.

رمضان المبارک کا یہ آخری جمعہ ہے اور اب اس مہینہ کی مدت تقریباً پوری ہوچکی، بلاشبہ یہ ایک بڑی نعمت تھی جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان کو خاص طور سے عطا فرمائی تھی، حقیقت میں تو اللہ کی یہ رحمت ساری دنیا کے لیے ہے لیکن اہل ایمان اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان میں بھی جو لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ سے سچا تعلق رکھتے ہیں، ان کے دل میں اللہ کا ڈر ہوتا ہے اور مزاج کے اندر کسی درجہ میں بھی تقویٰ ہوتا ہے تو وہ اس سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ ایک عظیم مہمان اور ایک عظیم نعمت تھا جو بڑی برکتوں کے ساتھ ہمارے درمیان آیا، اب جب کہ وہ جا رہا ہو اور اس کی مدت

مکمل ہونے کا وقت بالکل قریب ہو تو اس کی رخصتی پر صدمہ ہونا ایک طبعی چیز ہے، اس لیے کہ نہ جانے یہ کتنی برکتوں اور رحمتوں کو اپنے ساتھ لایا تھا اور نہ جانے کتنے لوگوں کو اس کی آمد سے غیر معمولی نفع ہوا تھا، یہ الگ بات ہے کہ ہم اس سے کس قدر فائدہ اٹھا سکے اور ہم سے کتنی کوتاہیاں ہوئیں، اگر غور کیا جائے تو سچی بات یہ ہے کہ ہم لوگوں نے بڑی کوتاہیاں کیں، اس ماہِ مبارک میں ہم بہت کچھ کر سکتے تھے جو نہ کر سکے۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ فرماتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو جو یہ روزہ دیا ہے، یہ ہمیں ایک بڑے روزہ کے طفیل میں حاصل ہوا ہے، ایک بڑا روزہ ہے اور ایک چھوٹا روزہ ہے، بڑا روزہ اسلام کا روزہ ہے اور چھوٹا روزہ رمضان کا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کے طفیل میں ہمیں عطا فرمایا، اگر اسلام نہ ہوتا تو ظاہر ہے کہ یہ رمضان کیا ہوتا اور یہ روزہ کیا ہوتا؟!

ظاہر ہے کہ رمضان کے اس روزہ کا متعین وقت اب مکمل ہو رہا ہے لیکن اسلام کا روزہ باقی ہے اور باقی رہے گا، وہ قیامت تک باقی رہے گا اور جب تک ہماری جان میں جان ہے، ہمارے لیے اس وقت تک باقی رہے گا، اس کا آغاز بلوغ کی عمر سے ہوتا ہے اور جب تک آدمی کی موت نہ آجائے، اس وقت تک اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے، یا آدمی جب کلمہ پڑھتا ہے اس وقت سے اس کا آغاز ہوتا ہے اور اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک آدمی کے دم میں دم ہے۔ انشاء اللہ اس روزہ کا افطار اللہ کے نبی ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے حوض کوثر پر ہوگا لیکن یہ افطار اسی کو نصیب ہوگا جو اسلام کا یہ بڑا روزہ رکھے گا، جو آدمی روزہ ہی نہ رکھے اس کے لیے افطار نہیں۔

رمضان کا یہ چھوٹا روزہ اب مکمل ہونے کو ہے لیکن اسلام کا بڑا روزہ ابھی باقی ہے، اس وقت ہمیں اس بات پر توجہ دینے کی بڑی ضرورت ہے کہ ہم اسلام کے بڑے روزہ سے کس طرح فائدہ اٹھائیں اور جس طرح ہم نے اس چھوٹے روزہ کی قدر کی،

اسی طرح ہمیں بڑے روزہ کی بھی قدر کرنی ہے۔

ابوالمحاسن مولانا سجاد بہاریؒ ایک بڑی عجیب وغریب اور حقیقت پر مبنی بات کہتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دین پر عمل کرنے کا تمہیں جو دائرۂ اختیار دیا ہے، اگر تم نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا تو یاد رکھو کہ وہ دائرہ تنگ ہوتا چلا جائے گا اور ایسا تنگ ہوتا چلا جائے گا' ہوسکتا ہے کہ جن چیزوں پر تم آج عمل کر رہے ہو، اگر تم نے ان پر عمل چھوڑا تو ممکن ہے کہ ان پر تمہارے لیے پابندیاں لگ جائیں۔

ظاہر ہے ان کی یہ بات بڑی حقیقت پسندانہ تھی، ہم غور کریں کہ ہم مسجدوں کو آباد کر سکتے ہیں، اذانیں دے سکتے ہیں، شریعت کے مطابق اپنے نکاح کر سکتے ہیں اور شریعت کے مطابق وراثت تقسیم کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ بھی نہ جانے کتنے کام ہیں جو بڑی سہولت سے ہم شریعت کے مطابق کر سکتے ہیں اور ہمارے اوپر اس کی کوئی پابندی نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود ہم ان چیزوں میں کوتاہیاں کرتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ نہ ہم نے مسجدیں آباد کیں اور نہ ہم نے اذانوں کی قدر کی، یاد رکھیں! اگر ہم نے اس سلسلہ میں مسلسل کوتاہی سے کام لیا تو اللہ وہ دن نہ لائے کہ ہمارے لیے اس ملک میں زور سے اذانیں کہنا مشکل ہوجائے اور مسجدوں میں جانا مشکل ہوجائے۔

آج ہمارا حال یہ ہے کہ رمضان کے علاوہ دنوں میں کسی بھی علاقہ کی مسجد کا اگر جائزہ لیا جائے تو فجر کی نماز میں شاید دس آدمیوں کا ملنا بھی مشکل ہو، ظاہر ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہ دائرۂ اختیار ہمارے لیے تنگ ہوتا چلا جائے گا اور اللہ نہ کرے کہ پھر ہمیں مسجدوں سے روکا جائے۔

آج ہم غور کریں کہ ہماری شادیوں کا حال کیا ہے؟ سچی بات یہ ہے کہ فرق کرنا مشکل ہے کہ یہ شادی کسی مسلمان کی ہے یا کسی غیر مسلم کی؟ یقیناً ہمیں یہ آزادی تھی کہ ہم سنت کے مطابق شادی کرتے اور نکاح مسجد میں کرتے، ڈھول تاشے سے بچتے اور

انتہائی درجہ کی فضول خرچیوں سے باز آتے، سوچنے کا مقام ہے کہ مسلمانوں کو ان سب چیزوں کی اجازت کس نے دی؟ اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان تو یہ ہے:

"أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مَؤُونَةً."(۱)

(سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو۔)

ہمیں سوچنا چاہیے کہ آج کون مسلمان اس فرمان نبوی ﷺ کو ماننے کے لیے تیار ہے؟ میں آپ سے صاف کہتا ہوں آج آپ کو آزادی ہے اور آپ سنت کے مطابق نکاح کر سکتے ہیں، اللہ وہ دن نہ لائے کہ ہمارے اوپر پابندیاں لگا دی جائیں، پھر کورٹ میرج لازمی ہو جائے اور یہ پابندی لگ جائے کہ آپ شریعت کے مطابق نکاح بھی نہیں کر سکتے۔ یاد رکھئے! یہ سارے مسائل ہمارے ہاتھ میں ہیں اور فیصلہ خود ہمیں کرنا ہے، اگر ہم اپنے لیے راستہ کھولنا چاہتے ہیں تو ہمیں شریعت پر عمل کرنا پڑے گا اور اس کی باریکیوں کو سمجھنا پڑے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رمضان کا یہ مبارک مہینہ ہمیں اس لیے عطا فرمایا تھا کہ ہم اپنا جائزہ لیں اور اپنی زندگی کے ایک ایک جزئیہ کو ٹٹول کر دیکھیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور ہماری زندگی کیسی گذر رہی ہے؟ ظاہر ہے اب یہ رمضان جا رہا ہے اور اب ہمارے سامنے اسلام کا وہ بڑا روزہ ہے جو اللہ نے ہمیں عطا کیا ہے، اگر ہمیں اللہ کے نبی ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے جام کوثر چاہیے اور جنت کی نعمتیں چاہیے تو ہمیں اسلام کا یہ بڑا روزہ مکمل طور پر رکھنا پڑے گا اور اسلام کی منع کی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرنا پڑے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جوانی دی، عمر عطا کی اور شعور کی دولت سے نوازا، یا اللہ نے جس کو ہدایت دی اور اس نے کلمہ طیبہ پڑھا، ایک اللہ کی شریعت کو مانا، اللہ کے نبی حضرت محمد عربی ﷺ کو مانا اور آپ کی شریعت کو مانا، تو اب اس کی بڑی ذمہ داری

(۱) مسند أحمد: ٢٥٢٦٤

ہے کہ وہ اس پر عمل کرنے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کرے اور گناہوں سے اسی طرح بچنے کی کوشش کرے جیسے گرمی کے زمانہ میں روزہ کی حالت سے ہمارے سامنے ٹھنڈا پانی رکھا ہو، اس کو پینے کا ہمارا جی چاہتا ہو، لیکن ہم وہ پانی نہیں پیتے، اس لیے کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اللہ ناراض ہوتا ہے، ضرورت ہے کہ اس بڑے روزہ کی بھی اسی طرح حفاظت کی جائے۔

بعض مرتبہ ہم پریشان ہوتے ہیں اور ہمیں پیسوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے لیکن ہم طے کریں کہ کسی بھی حال میں سود نہیں لیں گے اور نہ ہی سودی کاروبار کریں گے، ہم رشوت نہیں لیں گے، کسی کا حق نہیں ماریں گے، وراثت کی شرعی تقسیم کریں گے، بہنوں کا جو حق ہے وہ ادا کریں گے، اس کے علاوہ بھی اللہ نے جس کا شرعی حق ہمارے ذمہ رکھا ہے، اس کا حق ادا کریں گے اور سب سے بڑھ کر ہم اللہ کا حق ادا کریں گے جو ہمارا پالنہار ہے، ہمیں پیدا کرنے والا ہے اور ہماری ضروریات پوری کرنے والا ہے اور اس کا ایک فیصلہ کافی ہے، اگر اس کی جانب سے کوئی مصیبت، آفت یا وبا آجائے تو یقیناً وہ ہلاک کردینے کے لیے کافی ہے لیکن اس کا کرم ہے کہ وہ سب کو نواز رہا ہے، اپنے باغیوں کو بھی دے رہا ہے اور اپنے ماننے والوں کو بھی بلکہ اس نے اپنے کلام قرآن مجید میں یہ وضاحت کردی کہ یہ دنیا باغیوں کے لیے ہے، اللہ نے یہ دنیا منکروں کے لیے رکھی ہے، تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے ماننے والوں کے لیے آخرت کی راحت اور وہاں کی نعمتیں رکھی ہیں، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَالْآخِرَةُ عِندَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (الزخرف: ۳۵)

(اور آپ کے رب کے نزدیک آخرت پرہیزگاروں کے لیے ہے۔)

اگر ہم یہ سوچتے ہیں کہ اس دنیا میں ہمیں ہر طرح کی راحتیں اور آسائشیں چاہئیں، ہمیں اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے وہ سارے اسباب چاہئیں جو جائز

ہوں یا نہ ہوں، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ آج کا یہ دن اور رمضان کے آخری لمحات ہمیں یہ سبق دیتے ہیں اور گویا وہ اپنی زبان حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ تمہارے سامنے ایک بڑا روزہ بھی ہے، ہم تو اسی بڑے روزہ کا صدقہ ہیں، اگر اسلام نہ ہوتا تو رمضان بھی نہ ہوتا، اگر اسلام نہ ہوتا تو یہ مبارک مہینہ ہی نہ ملتا اور یہ روزے بھی نہ ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ نعمت دی ہے تو اب ہماری بڑی ذمہ داری ہے۔

اب جب کہ یہ چھوٹا روزہ ہم سے رخصت ہو رہا ہے اور رمضان کا مہینہ جا رہا ہے تو یہ پیغام دے کر جا رہا ہے کہ ہم اس بڑے روزہ ''اسلام'' کا صدقہ ہیں جو باقی ہے اور باقی رہے گا، چھوٹے روزہ میں محدود وقت کے لیے حلال وطیب غذائیں بھی ممنوع تھیں، اس متعین وقت میں چاہے ہمارا کتنا ہی جی چاہے اور ہمارے سامنے اعلیٰ سے اعلیٰ مشروب ہو لیکن اللہ کا حکم ہے کہ اس کو ہاتھ مت لگاؤ، پھر جب سورج غروب ہو گیا تب ہاتھ لگانا اور افطار کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ اللہ کے حکم کی پابندی اور بندگی اصل ہے، اب اگر کوئی شخص وقت پر روزہ افطار نہ کرے اور تاخیر کو عبادت سمجھے تو یہ عمل حقیقت میں نافرمانی ہے عبادت نہیں، بندگی تو یہ ہے کہ کھانے کا جی نہ چاہنے کے باوجود حکم الٰہی کی بنا پر آدمی کھائے۔

اس چھوٹے روزہ کی متعین مدت مکمل ہونے کے بعد اسلام کا وہ بڑا روزہ باقی رہتا ہے، اس میں بہت سی چیزوں کا دائمی پرہیز ہے اور بہت سی چیزوں کی اجازت ہے، ہم حلال وطیب چیزیں کھا سکتے ہیں، ارشاد الٰہی ہے:

﴿كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً﴾ (المؤمنون: ۵۱)

(پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور بھلے کام کرو۔)

گویا طیبات کے استعمال کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں ہمارے اندر جو طاقت پیدا ہو اور فہم کی جو صلاحیت ہو اس کا استعمال بھی درست ہونا چاہیے، اسی لیے

آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ کو راضی کرنے والے نیک کام کرو۔

اسلام کے بڑے روزہ میں کھانے پینے کی اجازت ہے، یہ رمضان کے روزہ کی طرح نہیں ہے بلکہ یہ ایک بڑا روزہ ہے، اس میں حلال وطیب کو کھانے کی اجازت ہے، تاہم اگر حرام تمہارے سامنے ہو تو اس کو ہاتھ بھی مت لگاؤ اور سمجھ لو کہ تمہارا روزہ ہے، یا کوئی غلط چیز تمہارے سامنے آ گئی مثلاً: شراب کی کوئی بوتل یا نشے کی کوئی چیز سامنے آ گئی تو صاف کہہ دینا چاہیے کہ ہم نے اسلام کا روزہ رکھا ہے، ہمیں اپنا یہ روزہ پورا کرنا ہے اور اس کا افطار حوض کوثر پر اللہ کے نبی ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے کرنا ہے، اس لیے ہم دنیا میں اس روزہ کو نہیں توڑ سکتے۔

حاصل یہ کہ ہم ہر طرح کے غلط کاموں سے بچیں، نمازوں کا اہتمام کریں، اپنے گھروں کو ذکر الٰہی سے آباد کریں، تلاوت کا معمول بنائیں اور تعلیم کا بھی ماحول بنائیں، ہم جن لغویات میں پڑے رہتے ہیں، ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں۔ حقیقت میں یہ اسلام کا روزہ ہے اور ہمیں اس کا اہتمام کرنا ہے۔

یہ بات بھی اسلام کے بڑے روزہ میں ہی شامل ہے کہ ہم اتحاد واتفاق کا مظاہرہ کریں، یاد رکھئے! آپس کی لڑائیاں اور جھگڑے اسلام کے روزہ کے سخت منافی ہیں اور اس سے اسلام کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ایک حدیث میں ہے:

"إِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ." (۱)

(بلاشبہ آپس کے تعلقات کی خرابی ہی (دین کو) مونڈ دینے والی ہے۔)

بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج مسلمان محلوں میں کثرت سے لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ آپس میں ایک دوسرے سے بات کرنا تک گوارہ نہیں ہوتا، اس سلسلہ میں بھی آپ ﷺ کے سخت ارشادات ہیں، حدیث میں ہے:

(۱) سنن الترمذی، أبواب صفة القيامة، باب صلاح ذات البين: ۲٦۹۸

"لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ."(۱)

(کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے، جو شخص تین دن سے زیادہ قطع تعلق رکھے اور اسی حالت میں مرجائے تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔)

آج ہمارے آپس کے جھگڑے اور لڑائیاں، جائیداد کے تنازعات اور وراثت کی صحیح تقسیم نہ کرنے کے نتیجہ میں جھگڑے، اسی طرح اپنی زبان کی حفاظت نہ کرنے کے نتیجہ میں آپس کی لڑائیاں، کسی کو گالی دے دی، کسی کو برا بھلا کہہ دیا، یہ ساری چیزیں وہ ہیں جنھوں نے مسلم سماج کو بالکل کرپٹ کر رکھا ہے، اسلامی سماج تو ایسا تھا کہ آپس میں غیر معمولی محبتیں تھیں، ایک دوسرے کے لیے ہمدردیاں تھیں اور جو بھی تھا وہ اللہ کے لیے تھا، اگر کبھی نفرت بھی تھی تو وہ اللہ کے لیے تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے صاحب زادہ سے کوئی غلطی ہوئی، انھوں نے حدیث سنائی لیکن ان کے بیٹے نے اس کی کچھ تاویل کردی، حضرت عمرؓ اس بات پر بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ کی ایک حدیث سنائی اور تو اس کے بعد تاویل کرتا ہے، پھر انھوں نے قسم کھائی کہ میں ساری عمر اس سے بات نہیں کروں گا اور انھوں نے ایسا ہی کیا۔

حدیث میں بھی آتا ہے کہ محبت ونفرت اور ہر چیز اللہ ہی کے لیے ہونا چاہیے:

"مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الإِيمَانَ."(۲)

(۱) سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی من یهجر أخاه المسلم: ٤٩١٦

(۲) سنن أبی داؤد، کتاب السنة، باب الدلیل علیٰ زیادة الإیمان: ٤٦٨٣

(جو شخص اللہ کے لیے محبت کرے، اللہ ہی کے لیے نفرت کرے، اللہ ہی کے لیے دے اور اللہ ہی کے لیے روک لے تو اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا۔)

اگر خدانخواستہ معاملات کے اندر یا دوسری چیزوں میں نفس پرستی شامل ہوجائے کہ ہماری عزت، ہماری ناک، ہماری جائیداد اور ہماری دولت، تو یہ ایسی چیز ہے جو آدمی کو جہنم تک پہنچادیتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری حفاظت کرے۔

آج جمعۃ الوداع کے دن اور رمضان کے آخری اوقات میں ہم گویا اس ماہ مبارک سے یہ عہد کریں کہ ہم کوئی غلط کام نہیں کریں گے، جھوٹ نہیں بولیں گے، رشوت نہیں لیں گے، کسی کو دھوکہ نہیں دیں گے، خیانت نہیں کریں گے، حرام مال نہیں کھائیں گے اور کوئی بھی غلط کام نہیں کریں گے، تاکہ یہ مہینہ ہم سے راضی ہوکر جائے اور خدانخواستہ اللہ کے نبی ﷺ کی بددعا کے ہم مستحق نہ ہوں، آپ ﷺ نے بددعا کی تھی کہ ہلاک وبرباد ہو وہ شخص جس کو رمضان کا مہینہ ملے اور اس کی بخشش کا سامان نہ ہو۔

اس مبارک موقع پر ہم یہ بھی عہد کریں کہ ہم فرائض کا اہتمام کریں گے، ماں باپ کا حق ادا کریں گے، پڑوسیوں کا حق ادا کریں گے اور اللہ کے نبی ﷺ کے وہ اخلاق جو ایک امانت کے طور پر ہمیں دیئے گئے ہیں، ان کو اختیار کریں گے اور ایک سچی ایمانی زندگی بسر کریں گے۔ حقیقت میں ہمارے اوپر یہ ایک بڑی ذمہ داری ہے۔

میں نے شروع میں آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (البقرۃ: ۲۰۸)

(اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔)

اس آیت میں اہل ایمان سے یہ مطالبہ ہے کہ اسلام میں پورے کے پورے

داخل ہوجاؤ، یہ بات درست نہیں کہ ایک قدم مسجد کے اندر اور ایک قدم مسجد کے باہر ہو، بڑے افسوس کی بات ہے آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم مسجدوں میں جا کر نمازیں ادا کرتے ہیں اور اس کے بعد سود بھی لیتے ہیں، ظاہر ہے پھر ہماری نمازیں اور دعائیں کیسے قبول ہوں گی؟! آج ہم نے اس دین کو خانوں میں تقسیم کر دیا ہے، ہم خود بھی اس کو نہیں سمجھتے اور دوسروں کو سمجھانا بھی نہیں چاہتے۔

اس ماہِ مبارک میں جن حضرات نے پورے روزے رکھے، اللہ ان کے روزوں کو قبول فرمائے، تراویح پڑھنے والوں کی تراویح کو، قرآن مجید پڑھنے والوں کی تلاوت کو اور دعائیں کرنے والوں کی دعاؤں کو قبول فرمائے بلکہ ہم نے جس کیفیت کے ساتھ عبادت کی اس سے بڑھ کر قبول فرمائے اور مزید توفیق دے۔

رمضان کے بعد ہمارے سامنے اسلام کا بڑا روزہ ہے اور انشاء اللہ ہمیں یہ روزہ بھی رکھنا ہے، احتیاط کی زندگی گذارنی ہے، اچھے اخلاق اختیار کرنا ہیں اور ہمدردی کا مزاج بنانا ہے، اگر کوئی کمزور ہے، غریب ہے، بیمار ہے یا پریشان حال ہے تو اس کی مدد کرنی ہے اور اس کی خدمت کرنی ہے۔

حقیقت میں یہ اسلام کی تعلیم ہے، اگر ہم نے اپنی زندگی کو اس کے سانچے میں ڈھال لیا تو یہ بڑا روزہ ہمیں بھرپور نصیب ہوگا اور انشاء اللہ ہم اس کو مکمل طریقہ پر رکھنے والے ہوں گے پھر اس کا افطار انشاء اللہ حوض کوثر پر اللہ کے نبی ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے ہوگا اور جنت میں اعلیٰ قسم کے میوے اور انواع واقسام کے ایسے کھانے ہوں گے جن کا اس دنیا میں کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا، جنت کی نعمتوں کے متعلق حدیث میں آتا ہے:

"مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ."(۱)

(نہ آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گذرا۔)

(۱)صحيح البخاری، كتاب بدء الخلق، باب ما جاء فی صفة الجنة: ۳۲٤٤

انشاء اللہ یہ سب نعمتیں ہمیں جنت میں حاصل ہوں گی لیکن یہ جب ہوگا جب اسلام کا ہمارا روزہ پورا ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس چھوٹے روزہ کی قدر دانی کی توفیق دے، اللہ کو راضی کرنے والا بنادے اور بڑے روزہ کا اہتمام کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے تاکہ اپنے حبیب نبی ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے ہمیں جام کوثر نصیب ہو اور ہماری زندگی ایسی اسلامی زندگی بن جائے جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگی کا نمونہ ہو، پھر اس کو دوسرے لوگ دیکھیں تو ان کے اندر بھی ایک شوق پیدا ہو اور وہ یہ شہادت دینے پر مجبور ہوں کہ اگر کسی کو سچی پکی زندگی دیکھنی ہے تو اس ایمان والے کی زندگی کو دیکھ لیا جائے، اس کی زندگی یقیناً ایسا نمونہ ہے کہ اگر دنیا اس کو اختیار کرلے تو وہ جنت نشاں بن جائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

عیدالفطر کا پیغام

ایمان والوں کے لیے رمضان کے روزوں اور شب بیداری کے بعد عید کا تحفہ خوشی کی نوید لے کر آتا ہے اور خوشی بھی ایک عبادت ہے، اس دن خاص طور پر رمضان کا حق ادا کرنے والوں کو اللہ کی رضامندی کا پروانہ ملتا ہے اور ایک مزدور کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی کیا بات ہوسکتی ہے کہ اس کو اس کی مزدوری ایسی مل جائے جو اس کی توقع سے کہیں بڑھ کر ہو، اللہ کی اس رضامندی پر خوش ہونا اور اس کے دیے ہوئے اجر پر خوشیاں منانا بھی اللہ کی مزید خوشنودی کا ذریعہ ہے اور یہ صرف اسلام کا امتیاز ہے کہ اس میں انسانی ضروریات اور تقاضوں کو بھی عبادت بنا دیا گیا ہے اور احکامات میں اس کی خاص رعایت رکھی گئی ہے۔

عید کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت میں ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ آدمی تیس دن کے روزہ کے بعد اس دن کھائے پیئے، اللہ کا شکر ادا کرے، خوشیوں میں شریک ہو اور اسلام کے اجتماعی نظام کا ایک حصہ بن کر دوسروں کے لیے نمونہ بنے، تیس دن کے روزوں اور شب بیداری کے بعد اس کا خطرہ پیدا ہوسکتا تھا کہ آدمی ہر ایک سے کٹ جاتا اور صرف اپنی فکر لے کر کہیں گوشۂ عافیت تلاش کرنے میں لگ جاتا اور اجتماعی زندگی سے اس کو کوئی سروکار نہ رہ جاتا، اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے یہ انتظام فرمایا کہ عید کے دن کو ملنے

ملانے، خوشی کا مظاہرہ کرنے اور کھانے پینے کا دن بنادیا تا کہ اعتدال قائم رہے۔

عید کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت کی ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ تیس دن روزہ رکھنے کے بعد بہت طبائع روزے کے عادی ہوجاتے ہیں اور جی چاہنے لگتا ہے کہ مزید چند روزے رکھ لیے جائیں اور اسی میں ان کو مزہ ملنے لگتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی جڑ ہی کاٹ دی اور بات صاف کردی کہ اصل اللہ کی بندگی ہے، روزے نماز اور ساری عبادتیں اس کے مظاہر ہیں، جب تک یہ اللہ کے حکم کے مطابق ہوں گے ان کو بندگی میں شمار کیا جائے گا اور جب اس میں نفس کے تقاضے شامل ہونے لگیں گے تو مظاہر رہ جائیں گے لیکن بندگی کی روح نکل جائے گی۔

عید اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ آتی ہے لیکن اس کی اصل خوشی اسی کو ملتی ہے جس نے رمضان مبارک کا حق ادا کیا ہو، اس کے دن کے روزے، اس کی راتوں کی تراویح اور تہجد، تلاوت وذکر کی کثرت اور پھر ضرورت مندوں کی مدد، دکھے دلوں کے ساتھ غم گساری، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کیا ہو، یہ سب وہ نیکیاں ہیں جن سے اللہ کا بندہ قرب الٰہی کی وہ منزلیں طے کرتا ہے جو عام دنوں میں اس کے لیے ممکن نہیں، اس قرب الٰہی کے ساتھ جب عید کا دن آتا ہے تو اس کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔

بہت سے برے کام وہ ہیں جو رمضان کے روزوں کو گدلا کردیتے ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ

"رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الْجُوعُ وَرُبَّ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ إِلَّا السَّهَرُ."(۱)

(بہت سے روزہ دار وہ ہیں جن کے حصہ میں بھوکے رہنے کے سوا کچھ نہیں اور بہت سے شب بیدار وہ ہیں جن کے حصہ میں رات جاگنے کے سوا کچھ نہیں۔)

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب الصيام، باب ما جاء فى الغيبة: ۱۷٦۰

حقیقت میں یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ بھی رکھتے ہیں اور دن بھر غیبت میں مبتلا رہتے ہیں، دوسرے گناہ کے کام بھی کیے جاتے ہیں، افطار کرتے ہیں تو حرام وحلال کا فرق نہیں ہوتا، افطار حرام ومشتبہ مال سے کرتے ہیں اور راتوں کو جاگتے ہیں تو اس کا حق ادا نہیں کرتے، فضول گوئی اور لایعنی کاموں میں رات بتا دیتے ہیں، موجودہ دور میں شبینہ کا سلسلہ چل نکلا ہے، رات رات بھر نماز ہوتی ہے اور لوگ بجائے نماز میں شامل ہونے کے چائے سگریٹ میں لگے رہتے ہیں، ایک جشن سا مناتے ہیں اور بہت کم وقت عبادت میں صرف کرتے ہیں، یہ چیزیں وہ ہیں جو دن کے روزوں اور رات کی بیداری کی روح نکال دیتی ہیں، ظاہر ہے جس نے رمضان کی ایسی ناقدری کی ہوگی، اس کے لیے عید کی خوشی کیا؟!

جیسے پہلے تھا، آج بھی ویسے ہی ہے، کوئی فرق نہیں، دن بدلتے رہے، حالات نہیں بدلے اور زندگی جوں کی توں رہی، ایسے لوگوں کے لیے عید کی خوشی صرف نئے کپڑوں اور اچھے کھانوں کی حد تک محدود رہتی ہے اور وہ بدنصیب جنہوں نے بلا عذر رمضان کے روزے چھوڑے، راتوں کی عبادت چھوڑی، ان کی محرومی کی تو کوئی انتہا نہیں، ان کے لیے عید کا دن عام دنوں کی طرح ہے، ان کو تو نہ اندر کی خوشی ملتی ہے نہ باہر کی۔

عید کا تحفہ حقیقت میں ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے رمضان کی قدر کی اور رمضان ان سے خوش ہو کر گیا، ان کے لیے ہلال عید خوشی کی نوید بن کر طلوع ہوتا ہے، ان کا ظاہر بھی پاک اور ان کا باطن بھی پاک، یہ وہ لوگ ہیں جن کی بن وموسے خوشی ٹپکتی ہے۔

عید کے موقع پر ہمیں حکم ہے کہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑائی بیان کریں اور اس کا شکر ادا کریں، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾(البقرة: ۱۸۵)

(اور اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور تا کہ تم

شکر گذاری کرنے لگ جاؤ۔)

دوگانہ عید حقیقت میں اللہ کا شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ ہے جو اللہ کے آخری نبی ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دیا ہے، اس دن کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہم اللہ کا شکر کریں، اللہ نے ہمیں رمضان کے مہینہ میں روزہ رکھنے کی توفیق دی، خیر کے کاموں کی توفیق دی، قرآن مجید کو سننے اور سنانے کی توفیق دی، اللہ کے بندوں کی خدمت کرنے کی توفیق دی، اب رمضان مکمل ہونے کے بعد ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں کہ جو کچھ ہوا وہ اللہ ہی کی توفیق سے ہوا، اسی لیے ہم عید کے دن دوگانہ عید ادا کرنے کے لیے جاتے ہیں تا کہ ہم اللہ ہی کی بڑائی بیان کریں۔

اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول تھا کہ وہ عیدگاہ کے لیے ایک راستے سے جاتے اور دوسرے سے واپس آتے اور یہ تکبیر پڑھتے ہوئے جاتے:

"اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَاَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ."

عید کے دن یہ زمزمہ ہماری زبان پر بھی جاری ہو اور دل سے بھی یہی جذبات پھوٹ رہے ہوں، آدمی بار بار سوچے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے انعامات کس قدر زیادہ ہیں، اس نے ہم کو ایمان عطا فرمایا، اسلام کی دولت عطا فرمائی اور عقیدۂ توحید کی غیر معمولی نعمت سے نوازا، ہمارے ذہن میں بنیادی طور پر یہ بات ہونا چاہیے کہ اس دنیا میں آنے والا ہر انسان اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے، وہی سب کا خالق و مالک ہے اور اسی کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے، اسی کے اختیار وتصرف میں سب کچھ ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے دنیا کا نظام چلانا۔

یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے اپنے نبی ﷺ کی امت میں پیدا فرمایا اور اپنی آخری شریعت عطا کی جو کامیابی کا راستہ ہے، پھر مرنے کے بعد کی زندگی کا ہمیں صحیح فہم عطا فرمایا اور اس فکر سے نوازا، اسی طرح اپنے محبوب محمد ﷺ کے ذریعہ

سے اللہ نے زندگی کا ایک طریقہ اور اسوہ دیا اور کامیابی کا راستہ اپنے نبی ﷺ کے ساتھ مربوط کر دیا، اب جو آپ کے طریقہ پر چلے گا، جو آپ کی زندگی کو اپنے سامنے رکھے گا اور آپ کی مبارک سنتوں کو اختیار کرے گا تو وہ کامیابی کے راستے پر چلے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو دنیا میں بھی کامیابی عطا فرمائے گا اور مرنے کے بعد بھی کامیابی سے نوازے گا۔

اللہ نے ہمیں رمضان کے مہینہ میں کھانے پینے سے روکا اور وہ چیزیں جو ہمارے لیے حلال وطیب تھیں، ان کو طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک ہمارے اوپر حرام قرار دیا، الحمدللہ اس کے حکم کی بنا پر ہم نے ان چیزوں کو چھوڑا اور اب اس روزہ کی مدت مکمل ہوگئی، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اسلام کا جو روزہ دیا، جو سب سے بڑا روزہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو باقی رکھا ہے اور وہ ساری زندگی باقی رہے گا، یہ وہ روزہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔

رمضان کے روزوں کو رکھنے کے بعد ہمارے اوپر یہ ایک بہت بڑا فریضہ ہے کہ ہم اسلام کو سامنے رکھیں اور اسلام کے روزہ کو سامنے رکھیں، اس روزہ میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کی دائمی ممانعت فرمائی ہے تاکہ آدمی ان گناہوں سے بچے جن کو اللہ نے منکر کہا ہے اور اللہ کے نبی ﷺ نے ان سے منع فرمایا ہے، چاہے وہ شرک وکفر ہو، بدعت ہو، چوری ہو، پرایا مال ناحق کھانا ہو، کسی پر بہتان لگانا ہو، نماز چھوڑنا ہو، جھوٹ بولنا ہو، رشوت دینا ہو، نشہ کرنا ہو، کسی کا دل دکھانا ہو، یا وراثت کی غلط تقسیم کرنا ہو، یہ تمام وہ چیزیں ہیں جن کے متعلق ہمیں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسلام کا یہ روزہ بلوغ سے شروع ہوتا ہے یا اس وقت سے جب آدمی نے کلمہ طیبہ پڑھا ہو اور اس وقت یہ روزہ مکمل ہوتا ہے جب آدمی اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے، انشاء اللہ اس روزہ کا افطار حوض کوثر پر جام کوثر سے ساقی کوثر ﷺ کے مبارک ہاتھوں ہوگا، پھر جنت میں کھانا ہوگا اور دسترخوان سجے گا، لیکن یہ اسی کے لیے ہے جو

اسلام کے اس روزہ کی پابندی کرے گا، جو کوئی بھی یہ روزہ رکھے گا' وہاں اس کا افطار ہوگا اور اس کے لیے جنت کے دستر خوان بھی سجائے جائیں گے۔

اللہ کا بہت کرم ہے کہ اس نے اس روزہ میں اپنے بندوں کو بڑی رخصت دی ہے، رمضان کا چھوٹا روزہ تو ایسا ہے کہ اگر اس میں ذرا سا بھی کچھ کھا پی لیا جائے تو ٹوٹ جاتا ہے لیکن اسلام کا یہ بڑا روزہ اس سے مختلف ہے، اس میں اللہ نے اپنے آخری نبی ﷺ کی امت پر کرم فرمایا، یہ ایسا روزہ ہے کہ اگر کبھی غلطی ہو جائے تو گرچہ یہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن اس کو دوبارہ درست کرنے کے لیے توبہ کا دروازہ بھی کھول دیا گیا ہے، اگر ہم نے اللہ سے رجوع کر لیا اور سچی توبہ کر لی تو یہ روزہ دوبارہ شروع ہو جاتا ہے، انشاءاللہ اس روزہ کی برکت سے ہمارا خاتمہ بھی ایمان پر ہوگا۔

عید کا موقع ہمیں ایک پیغام دیتا ہے کہ ہم اللہ کی اس نعمت اسلام پر ہزار بار شکر کریں اور یہ نیت وارادہ کریں کہ ہمیں اسلام پر جینا ہے اور اسلام پر مرنا ہے، اسلام کے تمام احکامات، اللہ کے نبی ﷺ کی ایک ایک سنت پر ہمیں اپنی جان دینی ہے، ہم اس کی کسی ایک چیز کو بھی نہیں چھوڑ سکتے، ہم معمولی سے معمولی سنت سے بھی دست بردار نہیں ہو سکتے، اس دنیا میں ہم اپنی تہجد اور اپنی اشراق کے ساتھ رہیں گے، اپنی نمازوں کے ساتھ رہیں گے، اپنی اذانوں کے ساتھ رہیں گے، اپنے مدرسوں کے ساتھ رہیں گے، کتاب وسنت کی تعلیم کے ساتھ رہیں گے، یہاں تک کہ وہ چیزیں جو فرض وواجب نہیں مثلاً: مسواک ہے، ہم اس کے بھی ساتھ رہیں گے، اگر کبھی مسواک پر پابندی لگا دی جائے تو ہم اس کو برداشت نہیں کر سکتے، یا کسی ایسی چیز پر پابندی لگا دی جائے جو اللہ کے نبی ﷺ کے احکامات میں سے ہے تو ان کا ایک ایک حکم ہمارے لیے سو جان سے زیادہ ہے، ہم سو بار اپنی جان قربان کر دیں گے لیکن اللہ کے نبی ﷺ کے دین کے ایک شوشے سے بھی دست بردار نہیں ہو سکتے۔

عید کے اس مبارک موقع پر یہ ہمارا ایک عزم وارادہ ہے، ہم یہاں عیدگاہ میں اللہ کا شکر ادا کرنے آئے ہیں، اسلام اور روزہ پر اللہ کی تکبیر بیان کرتے ہوئے اور اس کی بڑائی بیان کرتے ہوئے آئے ہیں، انشاء اللہ ہم ہمیشہ اسی کو بڑا سمجھتے ہوئے اور اس کے نبی ﷺ کی تعظیم کرتے ہوئے اور آپ ﷺ کے ارشادات پر چلتے ہوئے اپنی زندگی گذاریں گے۔

آج کے اس مبارک دن میں ہمارے نوجوان طے کریں کہ ہمیں نشے سے بچنا ہے، جوئے سے بچنا ہے، فحش کاموں سے بچنا ہے، موبائل کے غلط استعمال سے بچنا ہے، نمازوں کا اہتمام کرنا ہے اور اپنے نبی ﷺ کے مبارک دین کے لیے ایک سپاہی بننا ہے، آپ ﷺ کے دین اور مشن کے لیے ہمیں اپنی جوانی اور جانیں کھپانی ہیں، یہ جوانی اس لیے نہیں ہے کہ ہم اس کو سڑکوں پر برباد کریں، گلیوں میں برباد کریں یا چائے خانوں میں برباد کریں، اللہ نے ہمیں جو وقت دیا ہے وہ بہت قیمتی ہے، آپ اس وقت کو اللہ کی بندگی کے ساتھ اور اللہ کے نبی ﷺ کی غلامی کے ساتھ گذاریں، انشاء اللہ اس چیز کی اللہ کے یہاں غیر معمولی قیمت ہوگی۔

ہلالِ عید یا صبح امید

ہلال رمضان نے ایک نئی فضا پیدا کی، لوگوں میں عبادت وریاضت اور تلاوت ودعا کا ایک عمومی رجحان پیدا ہوا، مزاجوں میں نرمی پیدا ہوئی، حسن سلوک اور محبت وایثار جیسی صفات جگہ جگہ نظر آنے لگیں، اللہ کی رحمت سایہ فگن ہوئی، کتنے گنہگار بخشے گئے اور کتنے وہ لوگ جو جہنم کے راستہ پر پڑ چکے تھے، توبہ کے نتیجہ میں ان کے لیے بھی جنت کے فیصلے ہوئے۔

اب موسم بہار گذرنے کو ہے، ہلال عید طلوع ہونے کو ہے پھر وہی رُت ہوگی، وہی روز وشب ہوں گے لیکن اللہ کے وہ بندے کامیاب ہوں گے جنہوں نے اپنے دامن کو گل مقصود سے بھر لیا، رمضان ان سے خوش گیا، رمضان کے بعد ان کے لیے نئے عزائم ہوں گے، نیا حوصلہ ہوگا، کام کا جذبہ ہوگا، احساس عمل کی چنگاری ان کے دل میں فروزاں ہوگی، اللہ کے رسول ﷺ کی محبت سے سرشار ہوکر وہ آپ ﷺ کے دین کے لیے پروانہ وار نکل پڑیں گے، ان کے اندر قربانی کے جذبات ہوں گے، امت کا درد ہوگا جس کو وہ امت کے ایک ایک فرد تک پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

دنیا کی موجودہ صورت حال نے صبح امید جگائی ہے، لوگوں کو سوتے سے بیدار کیا ہے، اب تک جو خواب غفلت میں تھے، وہ الحمدللہ میدان عمل میں آنے کے لیے بے چین ہیں۔

ہمارا ملک جو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا ملک ہے، جہاں امام سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے توحید وسنت کا علم بلند کیا اور جہاں حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء نے ایمان کی جوت جگائی، آج پھر وہ اسی جذبہ ایمانی اور عمل پیہم کا پیاسا ہے، اسی محبت کے ساتھ جس کو فاتح عالم کہا گیا ہے۔

جو کچھ بھی واقعات گذرے اور گذر رہے ہیں وہ مایوسی کے لیے نہیں ہیں، مایوسی تو ایمان والوں کے لیے کفر ہے، یہ واقعات تو جذبہ ایمانی کو جلا بخشنے اور عمل پیہم کو لے کر میدان میں آنے کے لیے ہیں۔

سخت سے سخت حالات کا اس امت کو سامنا کرنا پڑا ہے، تاریخ گواہ ہے کہ یہ امت کبھی مایوس نہیں ہوئی، وہ نئے حوصلہ ایمانی کے ساتھ سامنے آئی اور اس نے صحابہؓ کی تاریخ دہرادی، وہ خواہ تاتاریوں کا حملہ ہو یا ہندوستان میں دین اکبری کا فتنہ ہو، جب جب یہ دین خطرہ میں پڑا، اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد تیار کردیے جنہوں نے تجدید کا کام کیا اور وہ ان خطرات کے سامنے سد سکندری بن گئے۔

ضرورت اس عزم کی ہے کہ ہلال عید حقیقت میں ہلال عید بن جائے، وہ خوشیوں کا پیغام لے کر آئے اور امت کے لیے صبح امید کی کرن ثابت ہو، لیکن یہ جب ہی ممکن ہے، جب امت کا ایک ایک فرد اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے، دین کا فہم رکھنے والے اور علماء طے کرلیں کہ ہمیں ہر مایوسی کو امید سے بدلنا ہے، اس کے لیے کم از کم چار کام کرنے کے ہیں، اگر ہم نے اپنی اپنی مشغولیات سے وقت نکال کر ان پر محنت کرلی اور ہر طرح کے انتشار سے بچتے ہوئے اپنے آپ کو تھوڑی قربانی کے ساتھ ان کاموں کے لیے یکسو کرلیا تو صبح امید دور نہیں اور کیا بعید ہے کہ ہلال رمضان کے بعد جن ریاضتوں اور محنتوں سے مسلمانوں نے اپنا دامن بھرا ہے، ہلال عید کے بعد وہ سوغات دنیا میں تقسیم ہو۔

پہلی بات یہی ہے کہ ہم اپنا ایمان مضبوط کریں، اللہ پر یقین دل میں بٹھائیں اور

اسی پر بھروسہ رکھیں کہ سب کچھ اسی کی قدرت میں ہے اور سچی بات یہ ہے کہ وہ ایمان والوں کو کبھی رسوا نہیں کرتا، شرط یہ ہے کہ ایمان دل کی گہرائیوں میں اتر جائے، اللہ سے تعلق مضبوط ہو اور اللہ کی رسی کو پوری طاقت کے ساتھ تھام لیا جائے، عقیدۂ توحید راسخ ہو اور ہر طرح مداہنت سے بچتے ہوئے دین وشریعت کے ایک ایک حکم کو مضبوطی سے تھاما جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ توبہ واستغفار ہو، اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر ندامت ہو، حدیث میں آتا ہے:

"اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ."(۱)

(گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔)

توبہ اللہ کی رحمت کو متوجہ کرنے کا ذریعہ ہے، اس سے بندہ اپنے رب سے قریب ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اپنی آنے والی نسل کے ایمان کی فکر ہو، اس کے لیے سب تدبیریں اختیار کی جائیں، مکاتب دینیہ اور اسلامک اسکولز کا جال بچھا دیا جائے، شہر شہر ہی نہیں محلّہ محلّہ اس کی فکر کی جائے، لڑکیوں کے لیے الگ سے تعلیم کا مکمل نظم کیا جائے اور اس کے لیے مساجد کو مرکز بنایا جائے، ایک ایک مسجد کے زیر اثر جتنے محلے ہوں ان سب کا مسجد کو سینٹر بنا کر سروے کیا جائے اور مسجد سے متعلق ہر ہر محلّہ کے ایک ایک گھر کی فکر کی جائے اور ان کی دین ودنیا کی ضرورتیں پوری کرنے کا نظام بنایا جائے، اس کے ساتھ مدارس اسلامیہ جو اسلام کے قلعے ہیں ان کو بھی مضبوط کرنے کی فکر رکھی جائے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ہم اپنے طرز عمل سے اسلام کے اخلاقی نظام کو دنیا کے سامنے پیش کریں اور جو غلط فہمیاں دماغوں میں بیٹھ گئی ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش کریں، اس کے لیے دو باتیں بے حد ضروری ہیں؛ پہلی بات یہ ہے کہ ہم خود اپنی زندگی کا رخ درست

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب الزهد، باب ذكر التوبة: ۴۲۹۱

کریں، اپنی بداخلاقیوں اور بے ضابطگیوں کو دور کریں اور رسول اکرم ﷺ کی مبارک زندگی میں جو ہمارے لیے نمونہ ہے، اس کو ہم اپنے لیے نمونہ بنائیں اور دوسری بات یہ ہے کہ برادران وطن کے لیے ایسا لٹریچر تیار کریں اور ان تک پہنچانے کی تدابیر کریں جو غلط فہمیوں کو دور کرے، اس کے لیے ملاقاتیں، ڈائلاگس اور جلسے مفید ہوں گے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اسی مقصد سے پیام انسانیت کی تحریک شروع کی تھی، یہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے، اس کا لٹریچر بھی اس چوتھے کام میں بہت معاون ہوگا۔

یہ چار کام اگر ہم نے کر لیے اور ہر طبقہ تک پہنچنے کی کوشش کر لی، ایمانی جذبہ کے ساتھ، اخلاص و اخلاق کی بلندی کے ساتھ، حوصلے اور عزم کے ساتھ تو وہ دن دور نہیں کہ دنیا کا رخ کچھ اور ہو، راستے کھلتے چلے جائیں، انسانوں کو انسانیت کا مزہ آئے اور دونوں جہان کی کامیابی دنیا کا مقدر بنے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

(العنکبوت: ٦٩)

(اور جو بھی ہمارے لیے جان کھپائیں گے تو ہم ضرور ان کے لیے اپنے راستے کھول دیں گے اور یقیناً اللہ بہتر کام کرنے والوں ہی کے ساتھ ہے۔)

یہ چند گذارشات رمضان وعید اور موجودہ حالات کی مناسبت سے پیش کی جارہی ہیں، کیا بعید ہے کہ کرنے والوں کے لیے اس میں حکمت و موعظت کا کچھ سامان ہو۔